از آسیہ رزاقی

محبت کا حصار

"دنیا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر رکھنا خطرے کو آواز دینا ہوتا ہے۔" فخر اسے سمجھا رہا تھا۔

"دنیا میں نہیں مگر مچھ دریا میں ہوتے ہیں۔ تمہیں تو محاورے بھی یاد نہیں رہتے۔"

"بہت ہی بھولے ہو صفی! اب مگر مچھ دنیا میں رہتے ہیں۔ موٹے موٹے آنسو بہا کر مظلومیت کا پرچار کرتے ہیں۔ ان سے ڈرنا چاہیے۔ دریا کے مگر مچھ تو کچھ رعایت بھی کر لیتے ہیں مگر دنیا والے مگر مچھ۔ اللہ معافی۔ وہ مگر مچھ سے زیادہ مکر کرتے ہیں، مکار نہیں کے۔ خیر ان سے بیر باندھنا بھی کوئی بہتر پالیسی نہیں۔ ویسے پالیسیاں تو سیاست دان بناتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟"

"تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔ الجھا ہوا فلسفہ، اوٹ پٹانگ نظریہ۔ تم مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہو۔"

"تم میں عقل کی کمی ہے۔ تم صحیح تجزیہ بھی نہیں کر سکتے۔" فخر ناراض ہو گیا۔

"ٹھیک ہے، کم عقل ہوں۔ اب میں چلتا ہوں۔ تم نے باتوں میں دیر کروادی۔ انتظار کر رہی ہوں گی۔ پریشان ہو جاتی ہیں وہ اگر میں دیر سے گھر پہنچوں۔"

مکمل ناول

صفی کھڑا ہو گیا۔
فخر نے ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ "دیر آید درست آید۔ تم اماں سے یہی کہہ دینا۔ وہ سمجھ جائیں گی کہ یہی درست ہے۔"

"اماں اور تمہاری کسی بات کو درست سمجھیں، ناممکن۔"

"یہ میرا نہیں، کسی دانشور کا قول ہے۔"

"اور تم دانش دشمن ہو اور یہ افسوس ناک صورت حال ہے۔"

"اچھا اچھا، بہتر ہے، آپ اپنی اماں جان کے پاس جائیں، ورنہ میں ہی کوسا کوتا جاؤں گا۔ تمہارے گھر والوں کو میں ہی تمہارا دشمن نظر آتا ہوں۔" وہ بہت زیادہ خفا ہو گیا۔ صفی نے رک کر اس کے غصے کو محسوس کیا۔

"یہ تم نے کیا کہا؟ کوسا کوتا۔ عجیب الفاظ استعمال کرتے ہو تم۔"

"عجیب سے کیا مراد ہے۔ اردو اتنی کمزور ہے تمہاری۔ کوسا کوتا سے مراد کوسنا اور مارنا پیٹنا وغیرہ ہے۔ تمہاری اماں یقیناً مجھے کوسا کرتی ہوں گی۔ بچپن میں تمہارے بھائی نے مجھے مارا بھی تھا کہ میں تمہیں خراب کر رہا ہوں۔"

"یادداشت تو بہت تیز ہے تمہاری۔" صفی نے طنزاً کہا۔ "پڑھائی میں اسے کیوں کام میں نہیں لاتے۔ ہر ٹیسٹ تمہاری شرمندگی کا باعث ہوتا ہے بلکہ تمہاری نہیں شاید میری ہی شرمندگی کہ اتفاق سے تم میرے دوست ہو۔"

"اسی لیے تم میری دوستی سے کنارہ کش ہونے لگے ہو۔ میرے دوست تم نے سنا نہیں کہ ہر شخص کا عمل صرف اس کا ہوتا ہے، دوسرے کو اس سے فائدہ یا نقصان نہیں ہوتا پھر تم کیوں شرمندہ ہوتے ہو۔"

"اللہ تعالیٰ کے پاس ہر شخص اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہو گا، لیکن دنیا میں ایک کا عمل دوسرے کے لیے باعث شرمندگی ہی نہیں باعث فخر بھی ہو سکتا ہے۔"

صفی نے تاسف سے فخر کو دوستی کے احترام کا احساس دلایا، مگر فخر لاپروا تھا۔ وہ بچپن سے ہی کھلنڈرا اور لاپروا تھا لیکن محلے کے اسکول میں ساتھ پڑھنے کے علاوہ گلیوں میں کرکٹ کھیلنے اور پھر کالج تک ان کی دوستی خاصی پختہ ہو گئی تھی۔

کالج تک آتے آتے صفی خاصا سنجیدہ اور بڑے بھائی اور اماں کی تربیت کے اصولوں کا عادی ہو چکا تھا۔ اسے ترقی کرنے، مستقبل کو روشن کرنے کے لیے تعلیم کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ وہ اپنے چچا اور بڑے بھائی کو دیکھ کر خود بخود ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی سعی کرنے لگا تھا۔ جبکہ فخر کے سامنے کوئی رہنما اصول نہ تھے۔ یوں تو اس کی اماں، دادی اور بڑے بھائی بھی تھے۔ جو ہر موقعہ پر نصیحتوں کے انبار لگا دیتے تھے جن کا وہ عادی تھا مگر عمل کرنے سے انکاری۔ اسے صرف اپنا وجود، اپنی ذات، اپنا مفاد ہی پیشِ نظر رہتا لیکن بس اپنے گھر تک۔۔۔ دوستوں میں وہ ہر دل عزیز تھا۔ دوستوں کی حد تک خود غرض نہ تھا۔ ہمدردی بھی کر لیتا، مدد بھی کر دیتا، دوستوں کی خبر گیری، تیمارداری میں آگے آگے رہتا لیکن دوسروں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش بھی کرتا رہتا۔ کسی ایک نظریے پر قائم رہنا اس کے لیے مشکل تھا۔ اب تو وہ یونیورسٹی پہنچ گئے تھے۔

کسی نہ کسی طرح فخر بھی یونیورسٹی تک آ ہی گیا تھا۔ جہاں اس کی دلچسپیوں کے لیے وسیع میدان تھا۔ صفی اسے اپنے ساتھ لگانے کی پوری کوشش کرتا تھا تاکہ وہ اپنی دلچسپی تعلیم تک محدود رکھے مگر یہاں فخر جیسے کتنے ہی طلبا تھے جو اسے ورغلانے کے لیے اپنے ساتھ ملائے رکھتے۔ فخر پرانی دوستی کی اہمیت اور تعلق کے باعث صفی کو بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا، مگر صفی کو اس راستے پر چلانا ابھی تک ممکن نہ ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فخر اوٹ پٹانگ باتوں سے اسے بہلانے کی کوشش کرتا رہتا۔ اپنے ساتھ ادھر ادھر لیے پھرتا۔

اپنے دوستوں سے ملواتا لیکن صفی کو وقت کا زیاں پسند نہ تھا' اس لیے وہ گھر بھاگنے میں مستعد رہتا۔ اماں اس کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ وہ ماں کو ملال نہیں کرنا چاہتا۔ بھائی کو جواب دینا ہوتا تھا۔ وہ باؤس کہاں رہا؟ کس کے ساتھ تھا؟ کیا کرتا رہا؟ ان سوالوں سے بچنے کے لیے اسے اپنے گھر کی پناہ درکار تھی ابھی تک تو وہ فخر کا ساتھ بس چند منٹوں یا زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے تک ہی دیتا تھا۔ فخر جھلا جاتا۔

"گھر میں کیا رکھا ہے یار! وہی پرانا ماحول' وہی سوالات' وہی نصیحتیں۔"

"وہی محبتیں' وہی شفقتیں جن کا میں عادی ہوں اور وہی میری محافظ ہیں۔"

صفی کہہ کر چل پڑتا۔ فخر کے بے شمار ہم خیال دوست تھے مگر نہ جانے صفی میں کیا کشش تھی' وہ اس کے ساتھ رہنے' باتیں کرنے کے لیے بے قرار رہتا۔ شاید یہ بچپن کی دوستی کا اثر تھا۔

☼ ☼

دروازے پر دستک سنتے ہی وہ تیر کی طرح اڑ کر پہنچی تھی۔ موڈ خراب' چہرہ اترا ہوا' غصے میں بڑبڑاتی۔

"او تو ذرا! ایسی خبر لوں گی کہ سات چوکے اٹھائیس طبق روشن ہو جائیں گے۔ روشن بھی نہیں' سارے چراغ بجھ جائیں گے' اندھیرا پھیل جائے گا۔ غضب خدا کا' کل میرا اتنا اہم ٹیسٹ ہے اور پڑھنے کا تو کیا' بیٹھنے کا بھی کوئی لمحہ نصیب نہیں ہوا۔ ایسی خاطر کروں گی جو آج تک کسی نے نہ کی ہوگی۔ مہمانوں نے بھی آج ہی ہمارا در خوب کھٹکھٹایا۔ پورا دن... اف... مگر یہ دستک۔ کچھ نازک سی' شرمائی ہوئی سی' شرمندہ شرمندہ۔ مہمان کی نہیں۔ یقیناً بوا ترنگی کی ہی ہے' مگر ان کی شرمندگی یا معذرت میں ذرا بھی قبول نہیں کروں گی۔ حد ہو گئی' دو دن بعد تشریف لائی ہیں۔ یہاں یہ حال کہ مہمانوں کی خاطر مدارات برتن سمیٹنا' دھونا' رکھنا اور پھر فوراً" دوسرے مہمانوں کی پذیرائی اور تائی صاحبہ ایک لمحہ جھوٹے برتن دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔ پھیلے ہوئے ادھر ادھر رکھے برتن ان کی آنکھوں میں شہتیر کی طرح کھٹکتے ہیں۔ میں تو باؤلی ہو گئی۔ اٹھاتے رکھتے سمیٹتے۔"

غصے میں بولتے ہوئے کھٹاک چٹخنی گرائی۔ دروازہ پاٹوں پاٹ کھول دیا مگر ہائے' مایوسی۔ سامنے ہی ماموں کی دل نشیں صورت نظر آئی۔ سارا موڈ یک لخت تبدیل ہو گیا۔

"کس کا انتظار تھا جو اس بے قراری سے دروازہ کھولا ہے۔"

اندر آتے ہوئے ماموں نے پوچھا۔ کچھ کچھ خفیف' کچھ شرمندہ۔ وہ بھانجی کے ہر انداز سے بخوبی واقف تھے۔

"جس کا انتظار تھا' اس کی قسمت بہت اچھی ہے۔"

منہ بنا کر جواب دیا پھر ماموں کی معیت میں اندر

آتے ہوئے شاہی نقیب کی طرح بلند آواز میں پکاری۔
"باادب۔۔۔ باملاحظہ۔۔۔ ہوشیار۔۔۔ نگاہ روبرو۔۔۔ ماموں کی سواری' بادِ بہاری رونق افروز ہوا چاہتی ہے۔۔۔"

پھر وہ ہنس پڑی۔ ہنسی کی کئی وجوہات تھیں۔ پہلی تو یہی تھی کہ بوا تمیزی کے دھوکے میں اچانک برس پڑنے کا ارادہ موقوف' پھر ماموں کی وہ نازک شرمائی ہوئی دستک' ان کی کھسیانی صورت' دبے پاؤں ان کا گھر کے اندر داخل ہونا۔ ابھی کل ہی نانی نے اپنے ہوائی تیر اور خنجروں سے ماموں کو خاصا زخمی اور گھائل کر دیا تھا۔ بجائے چند دن آرام اور مرہم پٹی کرانے کے وہ آج پھر اپنی خاطر کرانے حاضر ہو گئے تھے۔ چہرے پر شرمندگی اور خوف رقم تھا۔

نانی ہڑبڑا کر بستر سے اٹھیں۔ "ایں؟ پھر آ گیا' ڈھیٹ ہڈی۔ ارے۔۔۔"

وہ شاید اب پلنگ کے نیچے اپنی چپلیں تلاش کر رہی تھیں کہ ماموں نے لپک کر انہیں گود میں بھر لیا۔ اب نانی انہیں دھکیل رہی تھیں اور ماموں انہیں مزید مہلت دینے کو تیار نہیں۔ چپل سے پٹنا' اور وہ بھی بھانجے' بھانجی کے سامنے انہیں یہ عزت افزائی گوارا نہ تھی۔

"ارے چھوڑ بے غیرت' گرائے گا کیا؟ ناخلف۔" وہ چیخیں۔

"نہیں چھوڑوں گا' نہ گرنے دوں گا۔ آپ کہیے کہ میں آپ کا لاڈلا بیٹا ہوں اور آپ نے مجھے معاف کر دیا۔"

"ارے لوگو!" نانی نہ جانے محلے والوں کو جمع کرنا چاہ رہی تھیں یا نواسا نواسی ہی ان کے مخاطب تھے۔

"ارے دیکھ رہے ہو اس بے غیرت کی زور آوری۔ نہیں کرتی معاف' کیا کر لے گا۔"

"پھر چھوڑوں گا بھی نہیں' اسی طرح اٹھا کر لے جاؤں گا اپنے گھر' جیسے پرتھوی راج سنجوگتا کو لے گیا تھا۔ بزورِ بازو' گھوڑے پر بٹھا کر۔ میرے پاس گھوڑا نہیں مگر خیر سواری تو ہے۔" ماموں کے ارادے اٹل'

نانی کی مزاحمت جاری۔

"نانی ٹھیک ٹھاک جھولے لے رہی ہیں' آپ کو مزا آ رہا ہو گا۔" معروف ہنس رہا تھا۔ اپنی جگہ سے ہلنے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ نانی کی گھوریاں نظر انداز' ان کا احتجاج بھی نظر انداز۔

"کیسے کمبخت نواسا' نواسی ہیں۔ کسی کو پروا نہیں۔ ارے میں تھک گئی۔" وہ چیخیں۔ "اتار مجھے' ہلائے دے رہا ہے۔ میری ہڈی پسلی ٹوٹ تاٹ گئی تو تیرے اوپر ہی آفت آئے گی علاج معالجے کی۔"

ماموں ہنس دیے۔ "مان گئیں ناکہ آپ میری ذمے داری ہیں۔"

انہوں نے نانی کو آرام سے پلنگ پر بٹھا دیا اور ان کے سوکھے بازو چومنے لگے۔ انہیں بازوؤں کے گھیرے میں لے کر لاڈ کرنے لگے۔

"چل ہٹ۔" نانی بناوٹی غصے سے بولیں' لاڈ بھی شامل کر کے۔ "یہ دنیاداری کسے دکھا رہا ہے۔ خبردار جو اب تو نے مجھے ہاتھ لگایا۔ ناخلف' نافرمان۔"

نانی کو خفگی کے ساتھ ماموں کی قربت اور ان کے لاڈ پر خوشی بھی تھی۔

"اماں! ناحق خفا رہتی ہیں آپ۔ میں خاصا سعادت مند ہوں۔"

"ارے جا' سعادت مند اپنی بیوی کا ہو گا۔ اسی کے اشاروں پر ناچا کرتا ہے' جانتی ہوں خوب۔"

"اماں! پلیز محبت کرنے والوں کے درمیان رقیب روسیاہ کا نام نہ لیں اور آپ نے مجھے کب ناچتے دیکھا؟ بچو! تم نے کبھی ناچتے دیکھا ہے مجھے؟"

روحی اور معروف دونوں انکار میں سر ہلانے لگے۔ روحی کو تو "رقیب روسیاہ" کے اشارے پر زور کی ہنسی آئی۔

"دیکھ لیں اماں! روحی تو اس قدر ہنس رہی ہے کہ اس کی ہنسی رکتی ہی نہیں۔ آپ خوامخواہ ناراض ہوتی ہیں۔"

نانی کو مسلسل نواسی پر غصہ آ رہا تھا۔ اب وہ خاک شرمندہ کریں بیٹے کو۔ نواسا نواسی تو ماموں کے حمایتی

بن گئے تھے۔ حالانکہ روحی بھی ممانی سے خوش نہ تھی۔ جب بھی وہ آتیں، روحی کیسٹ لگا دیتی۔

"جب بھی چاہیں ایک نئی صورت بنا لیتے ہیں لوگ
ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ۔
ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ۔"

مہدی حسن کی غزل اور روحی کا گردن ہلا کر مزا لینا مگر ہر بار اسی غزل کی تکرار سے وہ بھی معاملے کی تہہ تک پہنچ گئیں کہ یہ ان ہی کو ستانے کے لیے سنایا جا رہا ہے۔ وہ جل کر تانبہ بن گئیں۔

وہ اس گھر کی ناپسندیدہ بہو تھیں۔ مجھی تو تھیں مگر۔۔۔ بے بس۔۔۔ پھر ان کے بھائی بھی ساتھ آتے تو روحی اور بھی چڑ جاتی اور فوراً "نیا کیسٹ"

کیسے کیسے لوگ ہمارے جی کو جلانے آجاتے ہیں۔
اپنے اپنے غم کے فسانے ہمیں سنانے آجاتے ہیں۔

مہدی حسن زور شور سے گا رہے ہوتے۔ راحیل بے چارا شرمندگی سے کوئلہ بن جاتا۔ (کچا کوئلہ) نانی کی بیزاری کے باوجود مامی بھائی کے ساتھ آجاتیں۔ روحی کا رویہ بھی حوصلہ شکن مگر ان کے کانوں پر توجوں مری پڑی تھی۔ رینگنا در کنار، جنبش نہ کرتی۔ ماموں البتہ کھسیانے پن سے ہلکا پھلکا جھڑک جاتے تک نہ کرتے۔ نانی بھلا مامی کو کیا بخشتیں۔ راحیل پر بھی طنز سے باز نہ آتیں۔ ماموں کی مجبوری کہ وہ ماں کو کچھ روکنا در کنار ناگواری کا اظہار تک نہ کرتے کہ انہیں ماں کی خوشنودی دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز تھی جو کہ وہ ابھی تک تو حاصل نہ کر سکے تھے، ہر قسم کی خوشامد کے باوجود۔

مامی مگر اچھی طرح بے عزتی کروا کر چند دن منہ چھپائے اپنے گھر میں رہتیں، پھر ایک دن حاضر اور یہ ماموں کی تاکید تھی اور کل تو حد ہی ہو گئی۔ انہوں نے منہ پھوڑ کر روحی کا رشتہ مانگ لیا، راحیل کے لیے۔ اوپر سے ماموں نے بھی تائید میں راحیل کی تعریف کر دی۔ اب نانی آگ بگولہ، غصے میں جامیں تو جامیں کہاں کے مصداق۔ کچھ سوجھا ہی نہیں تو بیٹے بہو کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیا اور دیر تک غصے میں ہانپتی رہیں۔ گو کہ معروف نے سن کر کہا۔

"تو کیا ہوا نانی! سنا ہے، جس گھر میں بیری ہوتی ہے پتھر تو آتے ہیں اور راحیل بھائی میں خرابی کیا ہے؟"

نانی کو معروف پر بھی غصہ آیا۔ انہوں نے اسے کھینچ کر چپل ماری جو اس نے کیچ کر کے وہیں رکھ دی۔

اور آج ماموں پھر آموجود ہوئے۔ ماں کو راضی کرنے کے سارے جتن کیے، پیر دبائے، ہاتھ سہلائے، سر میں تیل لگا کر کنگھی کی، چوٹی بھی کی، پھر ڈھیروں فروٹ لائے، سبزی اور بسکٹ بھی۔ اس کے بعد آرام کرسی میں دھنس کر نرم خستہ سیب چھیل چھیل کر نانی کو کھلانے لگے۔

جسمانی آرام، آسودگی اور بیٹے کی قربت نے نانی کا غصہ تو غائب کر ہی دیا تھا۔ سیب کی قاشیں سعادت مند بیٹے کے ہاتھوں مزید شیریں ہو کر شکر کی ڈلی کی طرح گھل کر حلق سے اتر رہی تھیں پھر انہوں نے بستر پر سر رکھ دیا اور لمحوں میں نیند کی وادی میں اتر گئیں۔

"مرغی لایا ہوں، بریانی پکا لینا۔ تمہاری مامی آئیں گی اور راحیل بھی۔ ذرا تمیز سے بات کرنا۔"

ماموں نے نانی کے سوتے ہی دھماکہ کر دیا۔ ان کی مخاطب ظاہر ہے روحی تھی۔

"آج پھر۔۔۔؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا پھر زبان دانتوں تلے دبا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"چلو تم پیاز چھیلو، میں تمہاری مدد کروں گا۔"

ماموں کو پکانے کا خاصا شوق تھا۔

"ارے نہیں ماموں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"کر لوں گی میں۔" خدا سمجھے بوا تمیزی تم سے۔ آج راحیل کو دھتورہ نہ کھلا دوں۔ کسی طرح جان چھوٹے۔ ماموں کی ہمت، مامی کی ڈھٹائی دیکھو ذرا۔ کل کی بے عزتی کے بعد، آج پھر حاضری۔ اف۔۔۔ میرا ٹیسٹ تو گیا۔ ماموں نے بھی آخر خوشامد چاپلوسی کے ہتھیار سے نانی کو راضی کر ہی لیا۔ اب نانی کا مامی اور راحیل سے کیا رویہ ہوگا۔

ماموں کو نانی کا گھر چھوڑے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔

انہوں نے نانی کے احساسات کی پروا نہ کی بیوی کی خاطر۔ ان کی بیوی نانی کی ناپسندیدہ ہو گئیں۔ ماموں کی پسند' نانی کو ماموں کی گھٹیا پسند پر ازحد صدمہ تھا۔ اف۔ ان کا بیٹا اور اتنی خراب اس کی پسند۔

"رنگ نہ روپ' تمیز نہ تہذیب' عقل نہ شعور۔ خالی خولی تعلیم کو لے کر چاٹنا ہے؟ ارے کیا خوب صورت لڑکیاں دنیا سے ناپید ہو گئی ہیں یا ساری کی ساری جاہل ہیں۔ نسل ہی خراب ہو گی ہماری۔"

وہ بڑبڑاتی رہتیں اور ماموں کے گھر چھوڑنے کا ذمہ دار مامی کو ٹھہراتیں۔ پھر کچھ دن بعد ماموں آئے۔ معافی تلافی کا سلسلہ شروع ہوا اور اپنے غصے کو الزام دے کر بری الذمہ ہو گئے۔ نانی نے بیٹے کو تو معاف کر دیا مگر صاف کہہ دیا کہ اس گھر میں اب تیری بیوی نہیں آئے گی۔

"وہ معافی مانگنے آئے گی اماں۔" ماموں نے لجاجت سے کہا۔

"چل تیری خاطر میں نے اسے معاف کر دیا' اسے آنے کی ضرورت نہیں۔ اب خوش؟"

نانی کی ناراضی شدید تھی۔ بھلا ایسی آن جان بہو' اس پر اس کے نخرے۔ میاں کو ورغلا کر لے گئی۔ جرأت۔ شوہر کی اکلوتی ماں کا خیال ہی نہیں کیا۔ وہ تو بچے آگئے تنہائی بانٹنے۔ بیٹی ہی کام آتی ہے وقت پر۔

"اور میں کون سا مر گئی' جاتی ہے تو جائے۔ جب بیٹا ہی ماں کا وفادار نہ ہو تو بہو سے کیا شکوہ۔"

انہوں نے پڑوسن کو بتایا۔ جو چند دن ان کے ساتھ رہنے آئی تھیں' پھر روحی اور معروف آگئے۔ نانی نے ماموں کا بھیجا ہوا منی آرڈر واپس بھیج دیا۔ وہ ماموں کی محتاج نہ تھیں' دکانوں کا کرایہ آتا تھا۔

ماموں خود پیسے لے کر آئے' روتے رہے' مگر نانی کی ناں' ہاں میں نہ بدلی۔ پھر ماموں اسٹور سے سارا سودا لا کر چپ چاپ کچن میں رکھ دیتے۔ جب آتے گوشت' سبزی' مرغی اور فروٹ بھی لے آتے۔ پھر مامی اپنے بھائی کے ساتھ آنے لگیں۔ نانی منہ پھیر لیتیں بس۔ غصہ بھی اب نہ رہا تھا مگر راحیل کے لیے روحی کا رشتہ مانگنا ناقابل برداشت تھا لیکن اب شام کو۔ بریانی' سالن' بوا تندی غائب۔ اسے تو کچن سے الرجی تھی۔ بوا جیسا پکا کر رکھ دیتیں۔ وہ چپ چاپ کھا لیتی مگر نانی کو صبر کہاں' اعتراض کیے جاتیں۔

"کیا بدشکلا سالن ہے اللہ مارا۔ گھی نام کو نہیں۔ مزا کیسا بھی ہو صورت تو اچھی ہونی چاہیے۔"

یا۔

"اے ہے' یہ دال ہے۔ اتنی موٹی پیاز جیسے کپڑے رنگ رہے ہوں' جھینگے تیر رہے ہوں۔ پیس کر ڈالنے میں کیا ہاتھ ٹوٹ جاتے۔ اللہ معاف کرے' توبہ' اتنی ہلدی۔ منہ کڑوا ہو گیا۔ نمک نہ مرچ' نہ بگھار کی خوشبو' ہلدی جھونک دی۔"

وہ کھاتے وقت بولتی رہتیں۔

"نانی! صبر کر کے کھا لیں۔ اچھی خاصی تو ہے دال۔ سالن بھی مزے کا ہے۔ آپ کا منہ کڑوا ہو گیا ہے تو ڈاکٹر کو دکھائیں۔" معروف اکتا کر کہہ دیتا۔

"ہاں' میرا منہ کیا میری تو ہر بات کڑوی ہے۔ ارے گھر میں یہ لوتھا کی لوتھا موجود۔ یہ نہیں کہ کبھی جھانک لے' سالن کیسا ہے' کتنا ہے' بوا بیگار ٹال رہی ہے۔ ارے تنخواہ دیتی ہوں' مفت میں نہیں پکاتی۔ اے بوا! کام نہیں کرنا تو چھوڑ دو۔"

"نانی! میں نے پکایا ہے۔" روحی بوا کی جان بچانے کو الزام اپنے سر لے لیتی۔

"اچھا تو یہ تمہارا کارنامہ ہے۔ ظاہر ہے' ماں نے کچھ سکھایا ہوتا تو آتا اور سکھاتی بھی کیسے جب خود ہی کچھ نہ آتا ہو۔ ہائے' اس مردو پر شاباش ہے جو اسے بھگت رہا ہے۔" وہ بیٹی پر الٹ جاتیں۔

"تو نانی! آپ نے سکھا دیا ہوتا۔" معروف کو ماں سے بہت محبت تھی۔

"خاک سکھاتی' جب سیکھنے کی عمر تھی تو بنو کو کھیل کود سے فرصت نہ ملی پھر پڑھائی کا بہانہ۔ اچھل چھکا دیدہ۔ کبھی سیر و تفریح تو کبھی ڈرامہ بازی' کبھی اس دوست کے گھر پارٹی تو کبھی ٹورنامنٹ میں مصروف۔ شکر ہے' شادی ہو گئی۔ اللہ بھلا کرے تمہاری دادی کا

جو پسند کر کے لے گئیں۔ مجھے تو امید نہ تھی کہ اس
بد سلیقہ کو کوئی پسند کرے گا۔"

معروف کو غصہ آتا تو وہ ہاتھ آئی کوئی بھی چیز اٹھا کر پھینک دیتا۔ آج بھی یہی ہوا۔ گلاس چکنا چور ہوا تو نانی کو پھر غصہ آیا۔

"گلاس کیوں توڑا تو نے؟ یہ نقصان کیا تیرا باپ پورا کرے گا۔"

"تو آپ ماما کو کیوں برا بھلا کہتی رہتی ہیں۔ اتنی اچھی ہیں مری ماما۔"

"ہاں ہاں، تیری ماں میری تو کچھ لگتی نہیں۔ بولے کے سرخاب کے پر لگے ہیں، لعل جڑے ہیں اس میں۔ ہزار بار کہوں کہ ہر کام کرے جو کرنا ہے۔ غضب خدا کا نیا گلاس توڑ دیا۔ اللہ ایسی اولاد کسی کو نہ دے جو بڑوں کی عزت نہ کرنا جانے۔ یہ تربیت دی ہے ماں نے۔ ہاں تو جیسی خود ہے، ویسی ہی تو اولاد کو سکھائے گی۔ اس نے کب میری عزت کی کبھی۔۔۔"

نانی کو چپ کرانا مشکل، معروف کھانا چھوڑ کر اٹھ گیا۔ روحی کو تاسف نے گھیر لیا۔ ہر دس بارہ دن کے بعد ایسا ہی ہوتا۔ معروف میں برداشت کی کمی تھی اور نانی کا تو جیسے اپنی بیٹی سے کوئی محبت کا رشتہ نہ تھا۔ روحی جانتی تھی، نانی عادت سے مجبور ہیں۔ ورنہ جب وہ نواسی سے محبت کرتی ہیں تو بیٹی تو ان کی بہت چہیتی تھی لیکن معروف ان کی باتوں پر تلملا جاتا۔ اس کا خون گرم تھا اور اسے ماں سے زیادہ ہی محبت تھی۔ مجبوری یہ تھی کہ کالج میں داخلہ لے چکا تھا، ورنہ شاید وہ واپس چلا جاتا روحی نے سختی سے کہا تھا کہ نانی کی بدمزاجی کو برداشت کرنا ہے مگر جب وہ ماں کی حمایت میں غصہ کرتا تو نانی بھی اس سے دوبدو کرتیں۔ ماموں تو پھر بھی انہیں منا لیتے۔ مامی سے نانی کو خدا واسطے کا بیر تھا۔ معروف کو مامی سے بھی ہمدردی تھی جو اسے خاصی مہنگی پڑتی۔ اسے مامی سے بھی شکایت تھی۔ اتنی بے عزتی کرانے کے بعد بھی آجاتی تھیں۔ یہاں تک کہ بھائی کا رشتہ دینے سے بھی نہ ہچکچائیں۔ نانی نے ایک لمحہ انتظار کیے بغیر انکار بھی کر دیا اور انہیں گھر سے نکال دیا۔ مگر ہاں۔ شام کو پھر موجود۔ مع بھائی کے غنیمت کہ نانی نے کچھ کہا نہیں۔ شاید ماموں کی خدمت خوشامد کی وجہ سے۔

شام کو بوا آگئیں۔ روحی نے سکھ کا سانس لیا اور کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی۔ بہانہ پڑھائی کا تھا اور صحیح تھا۔ وہ تعلیم کے معاملے میں بہت سنجیدہ تھی۔

☆ ☆ ☆

دو تین دن کے بعد جب صبوحی کا فون آیا۔ نانی نے راحیل کے رشتے اور اپنے انکار کا بتا دیا۔ وہ پریشان ہو گئیں بحث کرنے لگیں۔

"اماں! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ سوچنے کے لیے وقت مانگ لیتیں۔ جھٹ سے انکار کر دیا۔"

"جب ہمیں وہاں کرنا ہی نہیں تو وقت مانگنے کی کیا ضرورت؟"

"مگر کیوں۔ راحیل اچھا خاصا ہے۔ اعلا تعلیم، بہترین پوسٹ پر ہے اور کیا چاہیے؟"

"اور کیا چاہیے۔۔۔؟ ہائیں۔ رنگ دیکھا ہے جیسے الٹا توا۔"

"اماں! ابھی بچپنا نہیں گیا آپ کا۔" صبوحی کی ہنسی کی آواز سن کر وہ خاصی بدمزہ ہوئیں۔

"کیا۔۔۔؟ کیا کہہ رہی ہے صبوحی۔" انہوں نے ریسیور دوسرے ہاتھ میں پکڑا۔

"یہی کہ صحت مند، تعلیم یافتہ، کما کر کھلانے والا مرد، اپنا خاندان۔۔۔"

"لو، حبشی النسل، ہماری نسل خراب ہو جائے گی۔ ہم نے تیرے لیے کیسا گورا چٹا، خوبصورت دولہا تلاش کر کے بیاہا۔ کیسی پیاری اولاد ہے تیری۔"

"اماں! آج کل تعلیم اول ہے۔ آپ۔۔۔ کیسے سمجھاؤں۔۔۔ نسل کی فکر نہ کریں جو بھی رشتہ آئے پہلے مجھے بتائیں، فوراً انکار نہ کریں۔"

"مگر ہمیں کالوں سے رشتہ نہیں جوڑنا۔۔۔ نہ۔۔۔"

"بھائی نے بھی تو جوڑا ہے۔ اچھی خاصی بھابھی ہیں۔ سمجھ دار، تمیزدار۔ یہ ان کی تعلیم اور تربیت کا

نتیجہ ہے۔ کبھی جواب نہیں دیتیں آپ کو۔ آپ ہی زیادتی کرتی ہیں۔ بھائی کا خیال کر کے ہی مروت کر لیا کریں۔ خیر اماں! خفا نہ ہوں۔ آئندہ آپ رنگ کی، مطلب گورے کالے کی فکر نہ کریں۔ کالے بھی اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔"

"ہاں ہاں، مجھے عقل نہ سکھا، پتا ہے لیکن گورا مل جائے تو برائی کیا ہے؟"

نانی کو سمجھانا آسان ہوتا تو ماموں نہ سمجھا لیتے۔ انہوں نے گھر چھوڑ دیا پھر بھی وہ بہو کو الزام دیتی رہیں۔ وہ خود کو ہی درست سمجھتی تھیں اور سب سے زیادہ عقل مند بھی، کیونکہ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے سسرال میں رہتے ہوئے جائیداد بھی بنا لی تھی اور سسرال والوں کی حمایتیں بھی حاصل کر لی تھیں۔ وہ روحی کو اپنی ذہانت کے قصے، سگھڑاپے کے واقعات سناتی رہتی تھیں۔

"اماں! آپ کو اندازہ ہی نہیں۔ رنگ روپ کی کوئی اہمیت نہیں۔" بیٹی کی پژمردہ آواز نے انہیں چونکا دیا۔

"آپ نے گورا چٹا داماد تلاش کر لیا۔ نہ تعلیم دیکھی نہ خاندان۔ ساری عمر کس طرح میں نے [illegible] کیسی مشقت سے زندگی گزاری اور اب بھی گزار رہی ہوں۔ بچت، کفایت، کٹوتی، محنت، میرے ذہن کو یہ عمل بوجھل کرتے رہے۔ میں شکر ادا کرتی رہی کہ لاکھوں سے بہتر زندگی گزار رہی ہوں۔ اپنی تعلیم کو کام میں لا کر سروس کی کوشش کی تو آپ کے گورے چٹے داماد کی ناک کو خطرات درپیش ہو گئے۔ اماں! تعلیم کی کمی، تربیت کا نقص، ذہن کی تنگی کا باعث ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں، میری نوکری کر کے حالات بہتر بنانے کی کوشش ان کی ذلت ہے۔ گویا میں گھر میں تو ہر اذیت برداشت کرتی رہوں لیکن....." صبوحی کی آواز بند ہو گئی۔

"اماں! ابھی بھائی سے بات کریں، بھابھی کو مایوس نہ کریں۔" صبوحی نے فون بند کر دیا۔

"کیا کہہ گئی صبوحی!" وہ غور کرتی رہیں۔ کبھی صبوحی میکے آتی تو سو سو کر وقت گزارتی۔ انہیں بڑا غصہ آتا۔

"لڑکیاں میکے آ کر کتنے کام کرتی ہیں اور یہ۔ بس آرام۔"

"اماں! میں آرام کرنے آئی ہوں۔ میکے میں بھی سکون نہ ملے تو کہاں جاؤں۔" وہ جھلائی۔

"تو سدا کی ہڈ حرام ہے۔ کب مجھے آرام دیا۔ اپنے گھر میں بھی یہی کرتی ہوگی۔ اس لڑکے کو (داماد کو) شاباش ہے۔ اف نہیں کرتا۔ سسرال والے مجھے ہی الزام دیتے ہوں گے کہ کچھ سکھایا نہیں۔"

"سسرال میں دھاک بٹھا رکھی ہے اماں! پوری سسرال میں نہ اتنی خوبصورت بہو آئی نہ اتنی تعلیم یافتہ۔ سلیقے کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ پوچھ لیں اپنے داماد سے۔" وہ کہتی۔

نانی نے غور و فکر کے بعد روحی سے تفتیش کی ابتدا کی۔ کرید کرید کر حالات معلوم کر لیے۔

"لگتا ہے صبوحی نے پھوہڑپنے میں کچھ جمع ہی نہیں کیا۔ خوشحالی کہاں سے آئے اور شکل دیکھو، لگتا ہے پچاس برس کی بوڑھی۔ شادی ہوئی ہے تو کیا ادھ کھلا گلاب۔ جیسا شاداب چہرہ تھا۔ اب دیکھو بے رونق کملایا ہوا۔ رنگ رہا نہ روپ۔"

"نانی! عمر کا تقاضا....." روحی ٹالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"لو اس کی عمر کی سب عورتیں اپنی بیٹیوں کی بہن لگتی ہیں مگر صبوحی نے اپنا خیال نہیں رکھا۔ لاپروا جو ہے۔"

نانی نے کئی خواتین کے حوالے دیے جو صبوحی سے عمر میں بڑی تھیں مگر دیکھنے میں جوان لگتی تھیں۔

"اے روحی! سچ سچ بتا۔ کیا مراد نے دوسری شادی کر رکھی ہے؟"

نانی کا اچانک حملہ روحی کو گڑبڑانے کے لیے کافی تھا۔ وہ برا مان گئی۔

"اللہ نہ کرے نانی! آپ بھی....."

"تو پھر..... خرچا پورا کیوں نہیں ہوتا۔ گھر میں کوئی نئی چیز کیوں نہیں ہے۔ وہی اس کے جہیز کا فرنیچر، وہی برتن۔ تو..... ارے یہاں تو بڑا خرچا کرواتی تھی مجھ سے۔ نئی نئی چیزیں، نئے برتن، کبھی فرنیچر پر پالش

ہو رہی ہے تو کبھی دروازے پینٹ کروا رہی ہے۔ ہر روز تو سیٹنگ بدلتی تھی۔ اب کیا ہو گیا؟ گھر کیوں ایسا رکھ چھوڑا ہے؟"

روحی نے جو کچھ نانی کو انجانے میں بتا دیا تھا' اب نانی اسی کو زیرِ بحث لا کر اسے پریشان کر رہی تھیں۔ مجبوراً کہنا پڑا۔

"نانی! ابا کی آمدنی اتنی نہیں ہے نا۔"

"تو خود کوئی نوکری کر لے مگر سدا کی آرام طلب۔ ارے لڑکیاں پڑھ لکھ کر گھر سنوارتی ہیں۔ میاں بیوی مل کر گھر بناتے ہیں۔ وہ بھی ٹیچر ویچر بن جائے۔"

روحی چپ رہی۔ مزید کچھ بتانا مناسب نہ تھا' اسی ایک مسئلے پر امی' ابا کی آئے دن بحث ہوتی۔ ابا بیوی کی کمائی کو گناہ کہتے' حرام سمجھتے تھے۔ عورت کا کمائی کی غرض سے باہر نکلنا مرد کی توہین' مردانگی کو چیلنج۔ یہاں تک کہ گھر میں ٹیوشن پڑھانے کی بھی اجازت نہ تھی۔ "نت نئے بچے' نت نئے فتنے۔"

صبوحی کے سلیقے اور جزرسی کے باعث گھر چل رہا تھا۔ ماموں بھی اکثر کچھ نہ کچھ بھیجا کرتے۔ جب جاتے چپکے سے رقم تھما آتے۔ نانی نے بیٹے کی نالائقی اور بہو کی زور آوری کے دکھڑے روئے' اپنی تنہائی کا رونا رویا تو روحی اور معروف نانی کے پاس آ گئے۔

صبوحی کو ماں کی تنہائی' بھائی کی بے حسی کا بہت دکھ تھا پھر ماموں نے خود صفائی پیش کی۔ تب صبوحی کو بھابھی کی بے گناہی کا یقین آ گیا۔ ماں کی عادت وہ جانتی تھیں' انہیں گورے رنگ کا جنون تھا۔ سانولا رنگ ان کی لغت میں کسی جرم سے کم نہ تھا اور بے چاری بھابھی سانولی تھیں۔ ماموں کی پسند..... مگر ساس بہو میں ایسی خلیج حائل تھی جس کو پاٹنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ ماموں لاکھ بیوی کے سلیقے' ذہانت' خلوص' محبت اور اعلا ظرفی کے نغمے الاپیں' نانی کو صرف ان کا رنگ روپ ہی نظر آتا' کالا رنگ۔

"کیا مراد نشہ کرتا ہے' خرچا کیوں نہیں دیتا صبوحی کو' یا پھر وہ الّلوں تلّلوں میں اڑا دیتی ہے۔"

روحی کو نانی پر ترس آ گیا۔ ان کی سوئی ایک جگہ اٹک کر رہ گئی تھی۔

"نانی! ابا کی جتنی آمدنی ہے' سب دے دیتے ہیں مگر معمولی سی ملازمت ہے' مہنگائی بھی کتنی ہے۔ وہ تو امی ہی کسی نہ کسی طرح پورا کر لیتی ہیں۔ ابا کو عورتوں کا گھر سے نکلنا پسند نہیں ہے' اس لیے وہ جاب نہیں کرتیں۔ آپ فکر نہ کریں' گزارا ہو رہا ہے۔"

وہ صاف صاف گھر کی زبوں حالی کا رونا کیسے روتی' نانی زیادہ فکر مند ہو جاتیں۔ بیٹی کے گھر کبھی گئی ہی نہیں جو کچھ سمجھتیں۔

"تو ساری آمدنی بیوی کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے پھر کاہے کی کمی۔ ارے پھوہڑ ہے' سلیقے سے گھر چلاتی تو کم آمدنی میں بھی عیش کرتی۔"

انہیں اپنا زمانہ یاد آ گیا۔ کم آمدنی' سسرال کا ساتھ پھر بھی بچت کر لیتی تھیں مگر آج کل کی لڑکیاں..... توبہ۔

صبوحی کا قصہ ختم ہوا تو ایک نیا راگ شروع ہوا۔ کئی دن کے بعد۔ جب مامی کے ادھر نو دورے شروع ہو گئے۔ راحیل بھی ساتھ ہوتا۔ نانی نے بڑی رازداری سے روحی کو بٹھا کر کہا۔

"روحی بیٹا! لگتا ہے میری نظر زیادہ کمزور ہو گئی ہے۔ پرسوں غور سے راحیل کو دیکھا تو وہ تو بھلا سا لگا۔ اتنا کالا نہیں جیسا مجھے پہلے پہل لگا تھا۔ پتہ نہیں مجھے کیوں اتنا سیاہ لگا..... ہیں؟"

روحی کو غش آنے لگا۔ اب یہ کس مضمون کی تمہید تھی۔ "کالا نہیں' تو کیا گورا ہے؟"

"اے! تو تو کمرہ بند کر کے پڑھنے بیٹھ جاتی ہے' جب وہ آتا ہے۔ وہ بچارا کس سے بات کرے۔ تو میرے پاس آ بیٹھتا ہے اور بھئی' کیسی قابلیت کی باتیں کرتا ہے' دل خوش ہو جاتا ہے۔ میں تو سمجھتی ہوں' بہو نے کوئی نامناسب بات تو نہیں کی۔ رشتہ ڈالا تھا تو کچھ سوچ کر ہی نا۔ ہے تو وہ تیرے لائق' کوئی کمی نہیں ہے اس میں۔ سوچ رہی ہوں کہ..... اب کیا جواب دوں بہو کو۔"

روحی پر تو پہاڑ سا آ گرا۔ غم و اندوہ کا پہاڑ' نانی کی نظر

اور نظریہ دونوں کی تبدیلی معنی خیز تھی۔

"کیا امی کا فون آیا تھا؟" وہ سمجھ گئی کہ صبوحی کو رشتے میں خرابی نظر نہیں آرہی۔

"نہیں۔۔۔؟ تجھے کس نے بتایا؟"

"آپ کے تازہ ترین بیان نے۔" وہ منہ بنا کر سامنے سے ہٹ گئی۔

خود ہی ہروقت برائیاں کر کر کے مامی اور راحیل سے اسے بدظن کیا' اور اب۔۔۔ ویسے بھی اسے راحیل میں کوئی خاص خوبی نظر نہ آتی تھی۔ وہ احساس کمتری کا شکار نظر آتا تھا۔ غالباً" نانی کی بیزاری اور تلخ رویے کی وجہ سے یا روحی کا گریز۔

نانی اب مامی کو دیکھ کر منہ نہیں بناتی تھیں چونکہ انہوں نے پھر راحیل کا ذکر نہیں کیا تھا تو وہ بھی خاموش تھیں۔ اب مامی آتیں تو کچن میں جا کر بوا تندی کی مدد کرتیں۔ سالن وغیرہ بنا لیتیں۔ نانی کو اعتراض نہ ہوتا۔ راحیل کی قابلیت کی باتیں سن کر گردن ہلایا کرتیں۔ وہ خاصی تبدیل ہو گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ماموں کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے۔ پانچ سال مامی نے ساس کی بد مزاجی کو برداشت کیا تھا۔

"اور اچانک ہی "خوشی" کے آثار نظر آنے لگے۔

نانی کی مصروفیت دیکھ کر روحی دنگ رہ گئی۔ نہ جانے کہاں کہاں کی دھجیاں گودڑ جمع کیے وہ کچھ ٹٹولتی۔ سلائی کرتی پائی جاتیں۔ اب سے پہلے یہ کہاں پوشیدہ تھا جو اب اچانک سامنے آگیا۔ ہر طرف رنگ برنگ کے کپڑے بکھرے ہوتے۔ وہ بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹے لیٹے بھی کچھ گنگنایا کرتیں۔ معروف نے پوچھ ہی لیا۔

"نانی اماں! بات کیا ہے' آپ اچانک گلوکارہ کیسے بن گئیں؟ کوئی تو وجہ ہو گی۔"

"خوشی' خوشی کی وجہ سے۔" انہوں نے معروف کو سمجھایا۔ "تمہارے ماموں کے گھر خوشی ہونے والی ہے۔"

"شادی تو ہو چکی ماموں کی۔ اب کیا دوسری کرنے والے ہیں؟"

معروف کو خیال آیا۔ شاید نانی کے تقاضوں سے مجبور ہو کر ماموں دوسری شادی پر رضا مند ہو گئے ہیں۔ وہی خوشی ہو سکتی ہے۔

نانی نے مسکراتے لبوں سے کسی پرانی ہیروئن کی طرح سر نیچا کر کے لجاتے ہوئے کہا۔ "ارے بدھو' تمہارا چھوٹا بھائی آنے والا ہے۔"

معروف اچھل پڑا۔ "کیا امی کا فون آیا تھا۔ عارف آرہا ہے مگر کیوں' اس کی چھٹیاں تو نہیں ہیں۔"

نانی نے عقل سے پیدل نواسے کو بدمزگی سے گھورا۔ "تمہارے ماموں کا بیٹا دنیا میں آنے والا ہے۔"

"اوف۔۔۔" اب معروف سمجھ گیا۔ "تو اس میں خوشی کی کیا بات ہے۔ کم از کم آپ کے گلوکارہ بننے کا اس بات سے کیا تعلق ہے۔ دنیا آبادی کم کرنے کی فکر میں مبتلا ہے' یہاں کسی کو پروا نہیں۔ ہونہہ۔"

معروف منہ بگاڑنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ ایسی بری شکل بنائی کہ روحی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

نانی کو بڑا غصہ آیا۔ "کیسے نالائق بچے ہیں۔ دوسرا کوئی ہوتا تو خوشی سے ناچنے لگتا کہ ماموں صاحب اولاد ہونے والا ہے۔ ان کو دیکھو' ایسا برا منہ بنایا جیسے وہ بچہ ان ہی کے سر پر کودے گا۔"

"تو مجھے ناچنے کی کیا ضرورت۔" اس نے مزید منہ بنایا۔ "آپ گلوکارہ بن گئیں۔ ماموں ناچیں گے' گھر میں ہی فنون لطیفہ کی بنیاد پڑ جائے گی۔ اور ویسے یہ کوئی کمال بھی نہیں۔ سب ہی صاحب اولاد ہوتے ہیں۔ کودے گا وہ ماموں کے سر پر ہی۔"

"بس چپ ہو جا' نالائق۔" نانی کی برداشت کی حد بس اتنی ہی تھی۔ "خوش ہونے کے بجائے دل جلانے والی باتیں کر رہا ہے۔ ہاں بھئی' ماں نے کچھ سکھایا ہوتا تو تمیز آتی بھی۔ نہ جانے کیسی تربیت کی ہے اولاد کی کہ نہ کسی کی خوشی میں شریک' نہ غم میں۔ بدتمیزی کروا لو۔"

"تو نانی صاحبہ! آپ نے ہی اپنی بیٹی کو کچھ سکھا دیا ہوتا، جو وہ ہمیں ایسی تربیت دیتیں۔" نانی نے زوردار دھموکا اس کے رسید کیا۔ معروف ہنستا ہوا چلا گیا۔

اب نانی سلائی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ ایسے ایسے نمونے سی کر تیار کیے دیکھ کر روحی قہقہے لگانے پر مجبور ہو جاتی۔

آخر وہ دن آ ہی گیا۔ نانی کے "نمونے" لے کر ماموں مامی کے ساتھ ہاسپٹل چلے گئے اور خوشخبری لے آئے۔ چند دن بعد ہی ماموں، مامی نوزائیدہ کو لے کر آئے تو واپس نہیں گئے۔ گھر میں ان کے لیے جگہ تھی۔ گھر میں رونق ہو گئی۔ اوپر کا کمرہ راحیل کو دے دیا گیا۔ مامی نے گھر سنبھالا۔ نانی نے پوتا۔ نانی اور بوا تندی بچے پر نت نئے تجربے کرتیں۔ وہ تو ان دونوں کے لیے ایک کھلونا تھا۔ اب بوا چھٹی بھی نہیں کرتی تھیں۔ ایک نہ ختم ہونے والی مصروفیت نانی اور بوا کو گھیرے رہتی۔

✡ ✡ ✡

روحی کافی عرصے کے بعد پنڈی آئی۔ ماں کو مزید فکر مند اور کمزور دیکھا۔ "امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو، آپ اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہیں۔ ڈاکٹر کو دکھایا، بیمار تھیں کیا؟"

"بس بیٹا! میرے نصیب۔" صبوحی نے سرد آہ بھری۔ "تمہارے باپ کی نوکری چھوٹ گئی۔ جس فیکٹری میں تھے، وہ کسی دوسرے نے خرید لی۔ نیا اسٹاف آ گیا، پرانے ملازمین کی چھٹی۔"

روحی کا سانس رکنے لگا۔ پہلے ہی حالات بہت اچھے نہ تھے۔ ابا کی معمولی نوکری سے گھر لشتم پشتم چل رہا تھا۔ امی کا سلیقہ، ماموں کی امداد، کفایت اور بچت اسکیموں سے سفید پوشی قائم تھی۔

بیکاری نے ابا کو مزید چڑچڑا کر دیا تھا۔ عارف باپ کی ڈانٹ ڈپٹ سے منہ چھپاتا پھرتا، ابا کو اور بھی موقعہ ملتا بولنے اور لڑنے کا۔ گھر میں سکون ہی نہیں رہا۔

روحی نے نانی کے پاس رہ کر بولنا سیکھ لیا تھا۔ دلی جذبات کا اظہار بھی۔ پہلے عارف کو پیار سے سمجھایا کہ وہ ابا سے منہ نہ چھپائے، ڈرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ محبت کرتے ہیں۔ حالات نے اگر چڑچڑا کر دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے دور رہو۔ ابا کو بھی مناسب الفاظ میں وقت کی ضرورت اور صبر کی تلقین کی۔ انہوں نے کہا۔

"اب جو بھی ملازمت ملتی ہے، وہ اس قدر معمولی ہوتی ہے کہ دل نہیں چاہتا۔ ذلت محسوس ہوتی ہے۔"

"ابا! معمولی نوعیت کی سروس بھی ہمارے لیے اہم ہے۔ آپ اسے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اچھی جاب کی تلاش جاری رکھیں۔ کبھی نہ کبھی مل جائے گی۔ کم از کم بجلی گیس کے بل تو ادا ہوں گے۔ میں آ گئی ہوں، میں اور امی کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔"

اس نے ببانگ دہل اعلان کیا اور ٹیوشن سینٹر کے لیے پروگرام مرتب کر لیا۔

وہی مراد میاں جو صبوحی کے لیے ننگی تلوار بنے رہتے تھے۔ بیٹی کے آگے بھیگی بلی بن گئے۔ چند دن میں محلے والوں کی مدد سے کافی بچے آ گئے۔ باقاعدہ ٹیوشن سینٹر کا افتتاح ہو گیا۔ گو کہ روحی کو مسلسل ابا کے ساتھ مذاکرات کرنے پڑے۔ ادب اور تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے وہ انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ اگر امی کی خواہش کے مطابق جو انہوں نے پہلے یہی کوشش کی ہوتی تو نہ گھر کے حالات اتنے دگرگوں ہوتے، نہ ہم پریشانیوں میں گھر کر ایک دوسرے سے منہ چھپاتے۔ گھر میں رہ کر بھی محنت کر کے اپنی تعلیم اور ذہانت کے استعمال سے اخراجات کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔

"تمہاری ماں چاہتی تو سلائی کر کے چار پیسے کما سکتی تھی۔" ابا نے بگڑ کر صبوحی پر اعتراض جڑا۔ "مگر اسے تو مجھے ہی نیچا دکھانے کا شوق تھا۔ اپنی تعلیم کے بل بوتے پر باہر جا کر غیر کی چاکری کرنے کا شوق۔"

"ابا! ہزاروں عورتیں باہر نکل کر دفاتر، اسکولوں، کالجوں میں کام کرتی ہیں۔ آپ بتائیں اگر عورتیں اسی

طرح گھر بیٹھی رہیں تو اسکول کالج میں تمام مرد تعلیم دے رہے ہوں گے پھر تو عورتوں کو تعلیم سے بھی دور رکھا جایا کرے گا پھر جاہل معاشرہ فروغ پائے گا۔ جاہل مائیں بچوں کی تربیت کیا کریں گی۔ برائی ہی پھیلے گی نا۔ سلائی میں محنت زیادہ، وقت زیادہ، پھر آپ کہتے کہ گھر کے لیے تمہارے پاس ٹائم نہیں۔ عورتیں صبح شام تقاضے کرنے آتیں، وہ آپ کو ناگوار ہوتا۔ اگر آج ای کالج میں لیکچرر ہوتیں تو ہماری عزت ہوتی۔" اس نے باپ کو خوب اچھی طرح رضامند کرلیا بلکہ انہیں بھی کلاس لینے پر آمادہ کرلیا۔ مراد کو اب کچھ احساس ہوا کہ وہ غلطی کرچکے ہیں، مگر ابھی تلافی کی گنجائش تھی۔ اور یہ روحی کا کمال تھا۔ معاملات سلجھ گئے، البتہ روحی نے ماں سے اتنا شکوہ ضرور کیا۔

"امی! آپ نے نانی سے کم از کم بولنا ہی سیکھ لیا ہوتا، احتجاج ہی کرنا سیکھ لیا ہوتا۔ دیکھیں وہ ہر معاملے میں کتنی بے دھڑک ہیں۔ مزاحمت بھی کرتی ہیں، جارحانہ...."

"وہ تمہارے باپ کے ساتھ نہیں رہتیں۔ میرا باپ بہت منصف مزاج تھا۔ عورتوں کے حقوق کی پاس داری ان کے خون میں شامل تھی۔ اماں نے اپنے حقوق استعمال کرکے جائیداد بھی بنالی۔ ابا نے مخالفت نہیں کی۔ ابا اپنے والدین اور بھائی بہنوں کے حقوق ادا کرتے رہے۔ اماں اپنی اولاد کے لیے کوشش کرتی رہیں۔ تمہارے ابا.... وہ تو مجھے ذرا سا حق دینے کو تیار نہیں۔ میں تم لوگوں کے لیے تو کیا، اپنے لیے بھی کچھ نہیں کرسکی۔ اگر اماں کی طرح بولنے لگوں تو ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیں۔ کچھ بعید نہیں۔"

صبوحی بے حد مضمحل اور اداس رہنے لگی تھیں۔ روحی نے تاسف سے اپنی حسین و طرح دار ماں کو دیکھا، جواب زرد رو ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھیں پتہ نہیں وہ ادھ کھلے گلاب کی شادابی کہاں کھو گئی۔ بہار اتنی جلد خزاں میں ڈھل گئی۔

"امی! آپ تعلیم یافتہ ہیں۔ روشن خیال خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ کم از کم اپنے بارے میں کچھ تو سوچتیں۔ اپنی صحت دیکھیں، کیا حال کرلیا ہے۔ دوسروں کی فکر میں مبتلا رہتی ہیں، اپنا خیال نہیں رکھتیں۔" روحی کے شکوے جاری تھے۔

"میں سب کچھ کرسکتی تھی۔ مگر بیٹا! مجھے اپنی اور اپنے والدین کی عزت بھی پیاری تھی۔ اس گھر کو بنانے سنوارنے کا عزم کیا تھا میں نے۔ تمہارے ابا کے نظریات بدلنا میرا خواب تھا۔ میں نے انہیں مزید تعلیم کے لیے اکسایا، تو میری تعلیم و تربیت کو برا بھلا کہا گیا۔ مجھے مغرور اور دماغ دار ٹھہرایا گیا۔ مجھے اور کہاں جانا تھا۔ چپ ہوگئی۔

بیٹا بے جوڑ شادیوں کا نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے، تم فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہے۔"

مگر سب ٹھیک نہ تھا۔ صبوحی کی خراب صحت، ابا کا مصلحتاً خاموش ہوجانا۔ روحی کے لیے عارف کا گھر سے دور بھاگنا۔ روحی چاہتی تھی کہ عارف کا اعتماد اس حد تک بحال ہوجائے کہ وہ گھر میں رہ کر ہر ٹینشن کو برداشت کرے۔ اس عمر میں لڑکے بری صحبت میں پڑ جاتے ہیں۔ گھر میں سکون نہ ملے تو باہر سکون کی تلاش میں بھٹکتے ہیں۔ پھر کوئی نقلی ہمدرد انہیں نشے سے متعارف کرادیتا ہے اور پھر... انہیں سدھارنے کے ذریعے اور کوششیں بیکار جاتی ہیں۔ یہ بات اس نے ابا کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کا وہی انداز۔

"اسے گھر میں کیا تکلیف ہے۔ کھانے پینے کو مل رہا ہے، پہننے کو کپڑا ہے، بے سکونی کیوں ہے؟"

روحی نے اپنا سر تھام لیا۔ وہ ابا کو نہیں سمجھا سکتی۔

☆ ☆ ☆

اور ماموں آگئے۔ وہ روحی کو یونیورسٹی میں داخلے کے لیے لینے آئے تھے۔ روحی نے انکار کردیا۔

"میری اس گھر کو زیادہ ضرورت ہے۔" عارف کو اس وقت رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ماموں! میں نے فی الحال آگے پڑھنے کا ارادہ ملتوی کردیا ہے۔"

روحی نے مختصراً اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ ماموں بھی سوچ میں پڑ گئے۔ عارف کو واقعی اس وقت

رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس کا اعتماد بحال کرنا، ماں باپ کی اہمیت کا احساس دلانا، گھر میں اس کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلانا۔

ماموں نے عارف کو اعتماد میں لے کر اس کے مسائل دریافت کیے، گھر سے باہر رہنے کی وجہ معلوم کی۔ نتیجہ وہی نکلا۔ ابا کی نکتہ چینی، اعتراض، ڈانٹ ڈپٹ اور امی کے ساتھ حجت اور گھبرا کر گھر سے نکل جانا۔ ماموں نے فیصلہ کرلیا کہ معروف گھر آجائے، عارف کو اس سے ڈھارس ہوگی، بلکہ صبوحی کو بھی مدد ملے گی۔ مگر روحی کو لاہور میں رہ کر ہی پڑھنا ہے، ورنہ اس کی صلاحیتیں زنگ آلود ہوجائیں گی۔ گھر کے مسائل میں الجھ کر وہ اپنی تعلیمی قابلیت کھودے گی۔

صبوحی بھی بھائی کی ہم نوا ہوگئیں۔ ابا کو اعتراض تھا کہ لڑکی ذات کو زیادہ پڑھنے کی ضرورت کیا ہے۔ شادی ہونا چاہیے، اپنا گھر سنبھالے ___ کافی حجت مباحثہ ہوا۔ روحی کو ابا کے نظریات سے اختلاف تھا لیکن ماں کی دلچسپی اور تعاون کی خاطر وہ تعلیم کو خیرباد کہنا چاہتی تھی۔ ابا کے یہ کہنے پر کہ کئی رشتے تو خاندان میں موجود ہیں۔ وہ کھٹک گئی۔ صبوحی نے دبی زبان سے خدشہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے خاندان کو ترجیح دیں گے اور کسی بھی وقت بھائی، بہنوں کی دباؤ میں آکر رخصتی تک کردیں گے۔ ماموں نے روحی کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔ گویا اب کہو، ماں کا ساتھ کیسے دوگی۔ روحی جانتی تھی اس کی ددھیال، پڑھے لکھے جاہلوں سے بھری ہوئی ہے۔ جن کی نظر میں اس کا شوق، تعلیم، ذہانت کسی چیز کی اہمیت نہ ہوگی اور وہ اپنی ماں کی طرح مجبور ہوکر......

"ماموں! میں تو سوچ رہی تھی، یہیں کوئی جاب کرلوں گی۔ امی کے قریب بھی رہوں گی، ان کی مدد بھی ہوجائے گی۔"

"تمہارے باپ تمہیں جاب کی اجازت نہیں دیں گے۔" صبوحی نے آگاہ کیا۔

"بیٹا! بہت بڑی کامیابی ملی ہے تمہیں۔ اسے ضائع نہ کرو۔ اپنی قابلیت کو کام میں لاؤ، اتنا زبردست رزلٹ آیا ہے تمہارا اور تم....." ماموں اسے خطرات سے آگاہ کرنے لگے۔

☆☆☆

پھر وہی سرسبز ہرا بھرا شہر۔ پھولوں، باغوں اور تعلیمی اداروں سے مزین شہر لاہور۔ وہی نانی، وہی ان کا گھر، وہی ان کی محبتیں اور وہی بدگمانیاں مگر ماحول خاصا بدلا ہوا بلکہ بہتر تھا۔ ممانی نے اپنے حقوق کا استعمال خوب کیا تھا۔ کافی تبدیلیاں نظر آئیں۔

معروف کچھ ردوقدح کے بعد آخر ماں باپ کے پاس پہنچ گیا۔ اسے وہاں داخلہ بھی مل گیا۔ روحی نے اسے سمجھا بجھا کر بھیجا تھا کہ عارف کو پیار محبت سے ہینڈل کرنا۔ راحیل آج کل اوکاڑہ میں جاب کررہا تھا، اور روحی کو اس خبر سے خاصا اطمینان ہوا تھا۔

نانی کرید کرید کر اس سے حال پوچھتی رہیں۔ ماں کیسی ہے، باپ کا کیا حال ہے، کام کیسا چل رہا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ وہ تمہیں بتاتی، ماموں نے ہی آگاہ کردیا۔ وہ ناک پر انگلی رکھے۔ "ہائے ہے" اے ہے۔ لوحد ہے۔" کہتی رہیں۔

وہ تو اپنے فیصلے پر یقین کی مہر لگا کر مطمئن ہوجاتی تھیں۔ اپنا کوئی عمل انہیں غلط لگتا ہی نہ تھا۔ جب ماموں نے پوچھا۔

"اماں! آپ نے کیا دیکھ کر صبوحی کی شادی کی تھی؟"

ماموں کے لہجے میں تاسف تھا۔ اب تک تو وہ خاموش تھے، مگر اس بار صبوحی کی خراب صحت، گھر کے دگرگوں حالات، بہنوئی کی بے کاری، بے روزگاری اور بے حسی کا رویہ اور عارف کے ساتھ بے توجہی دیکھ کر انہیں احساس ہوا تھا کہ صبوحی کے ساتھ بھی اچھی خاصی زیادتی ہوئی ہے۔ بہنوئی صاحب کم علم ہونے کے ساتھ ساتھ بے عمل اور ضدی بھی تھے۔

"میں نے تو سب کچھ دیکھ بھال کر، اچھی جگہ رشتہ کیا تھا۔ اچھا خاندان، صحت مند خوبصورت لڑکا۔ تمہاری بہن ہی ناشکری اور پھوہڑ ہے۔" نانی کو قائل کرنا آسان نہ تھا۔

"تعلیم پوچھی تھی، پوزیشن دیکھی تھی۔ عادت، مزاج کا پتا کروایا تھا؟" ماموں بھی ان ہی کے بیٹے تھے۔

"اب بیس برس بعد تمہیں پوزیشن اور تعلیم یاد آئی ہے۔" نانی بگڑ گئیں۔ "کل تک تو سب ٹھیک تھا۔ اب قسمت کی خرابی، نوکری چھوٹ گئی بے چارے کی۔"

کون کہتا کہ کل تک بھی کچھ ٹھیک نہ تھا۔ صبوحی شکر کے ساتھ بزرگوں کے فیصلے کو نباہ رہی تھی اور صبر، صبوحی کی شادی کے وقت ماموں انگلینڈ میں تھے، ورنہ شاید۔

"نانی! ماموں نے امی کو نیگ میں سونے کے کڑے دیے ہیں۔" روحی نے موضوع کو بدلنا ضروری سمجھا۔

"صبوحی نے بھی تو بھائی بھاوج کو جوڑے اور بچے کے کپڑے سی کر بھیجے ہیں۔ اے بھائی بھاوج کے جوڑے تو یاد رہے۔ ماں کا خیال ہی نہ آیا، ایک دوپٹہ ہی بھیج دیتی۔"

نانی کو شکوہ کرنا ہمیشہ یاد رہتا تھا۔

"آپ کے لیے مجھے بھیجا ہے امی نے۔ کیا میں نہ آتی، ایک دوپٹہ آجاتا تو آپ خوش ہو جاتیں۔" روحی نے بسور کر پوچھا۔ نانی نے جھٹ گلے لگا لیا۔

"اری پگلی! انہیں میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔ تو تو میری جان ہے۔" چٹاچٹ بلائیں لیں۔

"اور ہاں، میں نے ماموں سے کہا کہ امی کا بھتیجا میرا بھی تو بھائی ہے۔ مجھے بھی کپڑے دلوائیں تو ماموں نے کہا۔ تمہاری شادی پر دوں گا۔ نانی! میں تو پورا سیٹ لوں گی اپنی شادی پر۔ ہاں۔"

"ہیں... ہیں... ہیں..." نانی کی آنکھیں پوری کھل چکی تھیں۔ دھکا دے کر روحی کو اپنے سے دور کیا۔ "یہ سیکھ کر آئی ہے ماں کے پاس سے۔ شرم و حیا چٹ کر گئی۔"

"کیوں، سیٹ مانگنا کیا بہت بے شرمی کی بات ہے؟" معصومیت کی حد تھی۔ ماموں نے دانت نکالے۔ مامی بھی کھلکھلائیں۔

"ارے بے شرم! شادی کا ذکر یوں کر رہی ہے جیسے... ہیں... ؟ کوئی سنے تو کیا کہے۔"

"اچھا شادی بہت بری چیز ہے۔ تو کیوں کرتے ہیں پھر، میری تو ہرگز نہ کریں۔"

نانی ماتھا پیٹنے لگیں، پھر ماموں مامی پر برسنا شروع کر دیا۔ جن کی شہ پر وہ اتنا بول رہی تھی۔ مامی نے کمرے میں پناہ لی۔ ماموں نے روحی کا سر تھپتھپایا۔

"فکر نہ کرو، تمہاری شادی میں کرواؤں گا، اچھے سے لڑکے سے۔ بہت ہی لاجواب۔"

"کالا نہ ہو، گورا ہو۔" نانی نے ضروری سمجھا کہ ماموں پر واضح کر دیں کہ وہ ابھی بھی سابقہ خیال سے ہٹی نہیں ہیں۔

روحی کا جی چاہا وہ بھی موقعہ سے فائدہ اٹھا کر کہہ دے کہ راحیل سے تو ہرگز نہیں، مگر زبان روک لی کہ نانی پھر اسے بے شرم کہیں گی۔

شکر ہے کہ ماموں کا بیٹا گورا چٹا پیارا تھا۔ اگر مامی، ماموں جیسا ہوتا تو پتہ نہیں وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتیں۔

✲ ✲ ✲

نانی کی بھتیجی کی بیٹی شاہدہ کراچی سے آکر ان کے ہاں ٹھہری۔ کافی خوبصورت، شوخ، زندہ دل۔ اس کی شادی بھی ایک سانولے جوان سے ہوئی تھی۔ نانی نے تب بہت واویلا کیا، مگر اعلا تعلیم، اعلا عہدہ، شریف خاندان کا لڑکا دیکھ کر کسی نے نانی کی پروانہ کی۔ شاہدہ کے میاں کا ٹرانسفر اسلام آباد ہو گیا تھا۔ شاہدہ بھی کراچی میں ایک اعلا اسکول میں پڑھاتی تھی۔ نانی نے کئی بار اسے یاد دلایا۔

"اچھی بھلی خوبصورت لڑکی کو کلوٹے کنبے کے سپرد کر دیا۔ ہائے، ہئے۔ اب اس کی نسل دیکھو۔"

شاہدہ خوب ہنسی۔ بچے واقعی اس کے نہیں میاں کے لگتے تھے لیکن وہ بہت خوش باش اور مطمئن تھی۔

"قسمت اچھی ہونا چاہیے نانی! کالے گورے سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ میں تو خوش ہوں۔"

"کیا یہ اچھی قسمت ہے۔ نوکری کرتی ہو، گھر بچے

سب چھوڑ کر باہر نکلنا عورت کو زیب نہیں دیتا۔ عورت گھر کی زینت ہوتی ہے، کمائی تو بس مرد پر ہی جچتی ہے۔ عورت، بچوں کی تربیت کرے، گھر سنوارے، مرد کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ یہ کیا کہ گھر بکھرا ہوا ہے، بچے رُلتے پھر رہے ہیں۔ عورت گھر میں نہ ہو تو گھر میں ترتیب اور قرینہ نہیں ہوتا۔"

"کہہ تو آپ درست رہی ہیں۔ مگر نانی! میرے میاں کو تو اعتراض نہیں۔ بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے اعلا تعلیم، اعلا معیارِ زندگی کی خاطر میں نے بھی اپنی قابلیت کو استعمال کیا ہے۔ آج کے دور میں ایک بندے کی کمائی کافی نہیں ہوتی۔"

"تو اور سنو۔ عورت سلیقہ مند ہو تو ہر طرح گزارا کر لیتی ہے۔" نانی بھلا شاہدہ کو خاطر میں لاتیں۔ "مگر آج کل کی لڑکیاں... اف توبہ... بقراط ہیں پوری۔"

"نانی! مہنگائی دیکھ رہی ہیں آپ؟ ضروریاتِ زندگی اسی تناسب سے بڑھ رہی ہیں۔ ذہن کو مسلسل دو اور دو چار کے ٹینشن سے بچانے کے لیے عورت کو میدانِ عمل میں کودنا پڑتا ہے۔ ورنہ ہماری تعلیم کا فائدہ ہی کیا۔ جب گھر میں ہی بیٹھنا ہے تو سالوں کالج، یونیورسٹی کے چکر کیوں لگوائے، گھر میں ہی آرام کرتے۔"

"ہائے ہے۔" نانی جیسے اس کی تقریر سے تھک سی گئیں۔ "آج کل کی نسل کو جواب دینا خوب آتا ہے۔ ہمیں کوئی نصیحت کرتا تو ہم خاموش ہو جاتے تھے کہ حدِ ادب پیشِ نظر ہوتا۔" نانی کی بات پر شاہدہ کھلکھلانے لگی۔

"بس یہی فرق ہے پرانی اور نئی نسل میں۔ وہ چپ ہو کر اپنا حق کھو دیتی تھی، اب ہم بول کر حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ بدتمیزی نہیں، تعلیم کی بخشی ہوئی جرأت ہے۔"

اب نانی کی برداشت جواب دے گئی۔

"یہ جرأت بچوں پر بھی آزما لیتیں۔ کس قدر ہونق بچے ہیں۔ الٰہی توبہ۔ اے جب ماں ہی تربیت نہ دے تو پڑوسی تو تمیز سکھانے سے رہے۔"

شاہدہ کے پاس ہنسی کا وافر ذخیرہ تھا۔ وہ ہنستی رہی۔

دراصل بچوں کی بھاگ دوڑ، ہڑبونگ اور تخریب کاریاں نانی کے ہوش گم کیے رکھتیں۔ وہ شاہدہ سے کہتیں تو وہ لاپروائی سے کہتی۔

"نانی! کچھ نہیں ہوتا۔ خود ہی عقل آجائے گی جب نقصان اٹھائیں گے تو۔"

نانی پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ "کیسی عجیب لڑکی اٹھائی ہے ماں نے توبہ۔"

"لو وہ تمہارے ولی عہد کچن میں آگ کا کھیل کھیل رہے ہیں۔" نانی نے بوکھلا کر مطلع کیا۔

"کھیلنے دیں، تجربہ انسان کو بہت سکھاتا ہے۔ اولین استاد وہی ہوتا ہے۔ نصیحت سے کوئی سیکھ لیتا تو دنیا جنت ہوتی۔ کرنے دیں من مانی ان کے بھی کچھ ارمان ہیں۔ اچھا ہے نکل جائیں، حسرت نہ رہے۔"

مگر نانی کو شاہدہ کے فلسفے سے اتفاق نہ تھا۔ وہ ہولتی رہتیں اور پوری توجہ اس پر رکھتیں کہ وہ آفت کہیں چھوٹے سے معیز کو اپنا شکار نہ بنائیں، مگر انہیں اپنی مصروفیات سے مہلت نہ ملتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نے ہاتھ جلا لیا۔ ایک نے چھری سے انگلی کاٹ لی۔ ایک کے پیر پر بھاری ڈش گر گئی اور روتے ہوئے ان کے پاس پناہ گزین ہو گئے۔ توبہ بھی کرتے رہے کہ آئندہ چھری، ماچس وغیرہ سے نہیں کھیلیں گے۔ نانی شکر کرتی رہیں کہ ڈش اسٹیل کی تھی چینی کی نہیں۔

"کہیں زیادہ چوٹ آجاتی تو داماد کیا کہتا کہ میکے سے یہ تحفے لائی ہو۔"

"داماد؟" شاہدہ کھلکھلائی۔ "داماد کو فرصت ہی کہاں ہے کہ دیکھیں۔ میں نوکری کروں، گھر کی مشقت میرے سر، بچوں کی ذمہ داری میری۔"

"شاباش ہے بیٹا! اس پر تمہاری یہ لاپروائی، بے فکری۔"

"میں نے تو نانی! زندگی سے یہی سیکھا ہے۔ اپنی خوشی کے لیے دل مارنا حماقت ہے۔ تجربہ انسان کو عقل بھی سکھاتا ہے، نہ جانے کتنی نصیحتوں کی پوٹلیوں سے ہماری گردن جھکا دی ہمارے بزرگوں نے۔

نصیحت دور کھڑی روتی رہتی ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ صحیح خالہ کی عقل دیتا ہے۔ دل جو کہے وہی کرو‘ اسی سے خوشی ملتی ہے۔“

شاہدہ کے جانے کے بعد نانی نے شکر ادا کیا۔ گو کہ ایک بچے کے ہاتھ پر پٹی بندھی تھی‘ دوسرے کی انگلی میں دوسرے کا پیر سوج رہا تھا۔ بقول شاہدہ۔ ”یہ روز کا معمول ہے۔“

نانی نے روحی کو تنبیہ کی۔ ”خبردار‘ تم شاہدہ کے اصول گرہ میں نہ باندھ لینا۔ بے عقل ہے وہ۔ اپنی خوشی کے لیے دوسروں کو پریشانی میں مبتلا کرنا توبہ۔“

”مگر شاہدہ باجی خوش و خرم زندگی گزار رہی ہیں۔ مطمئن ہیں۔ ای کی طرح دکھی نہیں۔“

لاہور میں شاہدہ کی سسرال تھی‘ چند دن وہاں رہ کر وہ پنڈی چلی گئی۔

پھر کچھ عرصے بعد شاہدہ کی نند آئیں‘ وہ پنڈی جانے والی تھیں اور یہاں شاہدہ کی چپل‘ سوٹ‘ بچوں کے کپڑے رہ گئے تھے وہ لینے آئی تھیں۔ نانی نے انہیں فون کر کے بتایا تھا۔ نند آئیں تو مسلسل شاہدہ کو تنقید کا نشانہ بنائے رہیں۔ سسرال میں کسی کو بھی شاہدہ کا سروس کرنا پسند نہ تھا۔

”بھائی خاصا کماتے ہیں مگر بھابی کو اپنی کمائی کا زعم بڑا ہے۔ باہر نکلنے کا شوق ہے‘ گھر سے فرار چاہتی ہیں۔“

”مگر وہ اپنے شوہر کی مرضی سے ہی تو کر رہی ہیں سروس۔“

”مرضی‘ جی نہیں۔ وہ صرف اپنی مرضی سے کر رہی ہیں۔“

نند نے بتایا۔ ”بچوں پر گھر کی بے سکونی میاں بیوی کی چخ چخ سے برا اثر پڑ رہا تھا‘ اس لیے بھائی چپ ہو گئے۔ اسلام آباد ٹرانسفر کرایا تھا بڑی سفارش کے بعد کہ ان کی سروس نہ رہے مگر انہوں نے وہاں بھی کوئی اسکول تلاش کر لیا۔ بھائی کو وقت پر کھانا ملتا ہے نہ کپڑے‘ نہ کوئی آرام۔ بچے ہیں وہ بھی بغیر تربیت کے جیسے جنگل میں پل رہے ہوں۔ گھر میں نوکر ہے مگر بچوں کی تربیت تو کر کیا کرے گا۔ بھابی کو پروا نہیں۔“

”لیکن گھر کے سارے کام شاہدہ باجی ہی کرتی ہیں۔“ روحی نے جتلایا۔

”صرف کھانا پکاتی ہیں کیونکہ یہ بھائی کا آرڈر ہے۔ انہیں کسی اور کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں آتا۔ باقی گھر کا جو حال ہوتا ہے‘ اف میرے خدا۔ بھائی کڑھ کر رہ جاتے ہیں۔ مجھے بلایا جاتا ہے کہ گھر کی سیٹنگ وغیرہ اور مناسب اوقات مقرر کر کے ملازموں کو ٹریننگ بھی دوں۔ خیر‘ اسلام آباد تو پھر قریب ہے۔ کراچی بھی جانا پڑ جاتا تھا۔ چلو بھائی کی خاطر کرتی ہوں۔ بھابی سے بھی شکایت کرتی ہوں۔ وہ ہنس کر ٹال جاتی ہیں۔ انہیں احساس نہیں کہ بچے بگڑ رہے ہیں‘ من مانی کرتے ہیں ابھی چھوٹے ہیں۔ جب بڑے ہوں گے تو ان کی اصلاح کیسے ہوگی۔ بھابی لاپروا بھی ہیں ورنہ ماں سے زیادہ بچوں کا کس کو احساس ہوگا۔“

”لیکن...... آخر خواتین کام کے لیے گھر سے نکلتی ہیں۔ گھر اور بچے بھی سنبھالتی ہیں تو......“

”دیکھو‘ مجھے اس پر اعتراض نہیں جو خواتین کسی مجبوری‘ خراب حالات یا اقتصادی مسائل کی وجہ سے سروس کرتی ہیں۔ ان کے مرد بھی تعاون کرتے ہیں گھر والے بھی۔ بھابی کو ایسی کوئی مجبوری نہیں۔ اللہ کے فضل سے بھائی بہت کما رہے ہیں۔ ان کی ہر سال ترقی ہوتی ہے۔ بھابی کو بس شوق ہے‘ اپنی ساری تنخواہ وہ اپنے ملبوسات‘ میک اپ کے سامان اور شو شا میں گنوا دیتی ہیں‘ گھر میں تو ان کی کمائی کی ایک چیز بھی نہیں۔ بس انہیں اعلا و برتر نظر آنے کا کریز ہے۔ گھر میں سلیقہ ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ بے ترتیبی اور پھوہڑ پن کا اعلا نمونہ ہے ان کا گھر۔ وہ گھر میں وقت گزاریں تو شاید کچھ درستی کر بھی لیں۔

دو مہینے کی گرما کی چھٹیاں وہ مری‘ بھوربن میں گزارتی ہیں۔ لوگ رشک کرتے ہیں کہ کیا شان ہے بھئی۔ بھائی کی تو گرما کی یا سرما کی چھٹیاں نہیں ہوتیں۔ وہ اکیلے گھر میں نہ جانے...... خیر میں یا چھوٹی بہن ان کی مدد کے لیے چلی جاتی ہیں مگر خود سوچو‘ یہ کب تک چلے

گا اور مرد کی برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ وہ کچھ کہتے ہیں تو گھر میں جھگڑے۔"

شاہدہ کی نند نہ جانے کب کی بھری بیٹھی تھیں جو لاوا اگل کر چلی گئیں تو نانی نے لمبی سانس بھری۔

روحی سوچ میں گم ہو گئی۔ صبوحی اور شاہدہ دونوں کا موازنہ کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہر عورت شاہدہ جیسی لاپروا نہیں ہوتی۔ شاہدہ میں خوداعتمادی بھی تھی اور بے حسی بھی۔ اسے ایک راہ نما کی ضرورت تھی اور یہ کام صبوحی کر سکتی تھی۔ روحی نے صبوحی کو فون کر کے انہیں آمادہ کرنا چاہا۔

"کیسی بات کرتی ہو تم' دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی مجھے تو ضرورت نہیں۔ اوّل تو وہ مجھ سے ملنا ہی پسند نہیں کرے گی۔ اب تک تو اس نے رابطہ ہی نہیں کیا۔"

روحی کو تعجب ہوا' اس نے ماں کا فون نمبر' گھر کا پتا دے کر تاکید کی تھی کہ امی سے ضرور ملیں۔ ان کو گئے ہوئے بھی ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا۔ نانی نے فوراً ٹوکا۔

"ارے بھئی' صبوحی کیا گھر سے فالتو ہے جو دوسروں کی اصلاح کرے۔ شاہدہ جیسے لوگ رشتے داروں سے نہیں ملتے۔ وہ غیروں میں زیادہ خوش رہتے ہیں۔ جو ان کی واہ واہ کرتے رہیں' سراہتے رہیں' مرعوب ہوں۔ میرے پاس تو اس لیے رک گئی تھی کہ سسرال میں کم سے کم رہنا پڑے۔ وہاں اعتراض جو ہوتے ہوں گے۔"

"مگر نانی! آپ نے بھی نصیحتوں کی لائن لگا دی تھی۔"

"ارے وہ ڈھیٹ ہڈی' وہ بھلا کسی کی مانے گی جسے بچوں کی ہی فکر نہ ہو۔"

☆ ☆ ☆

یونیورسٹی میں پہلا دن تو بوکھلا دینے والا تھا۔ اسے تو لگ رہا تھا' وہ میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہے اور کالج دیکھنے آئی ہے۔ فرسٹ ایئر میں داخلہ لینا ہے۔ وہ بھول بھلیوں کے اسرار میں کھو جاتی' اگر ایک بھلا مانس اس کی راہبری نہ کرتا۔ اوّل تو یہاں کسی کی شکل سے اس کی کلاس کا ہی پتا نہیں چلتا تھا۔ سب ایک عمر کے لوگ' لڑکے لڑکیاں بلکہ استاد بھی کئی۔ جنہیں وہ اسٹوڈنٹ سمجھی' وہ استاد تھے اور جن صاحب کو لیکچرر سمجھی' وہ اسٹوڈنٹ نکلے۔ لڑکیاں جیسے فیشن شو میں حصہ لینے آئی تھیں اور لڑکے... ان کے فیشن بھی ہوشربا تھے۔ جیسے میچ دیکھنے آئے ہوں۔ کچھ دن میں وہ ماحول کو جان گئی۔ اسے کسی ایک اپنی جیسی دوست کی ضرورت تھی۔ نانی کی نصیحت کے مطابق اسے زیادہ "دوستیاں" پالنے کی ضرورت نہ تھی۔ "لڑکوں سے مخاطب بھی نہ ہونا۔ ذلیل قوم ہے۔"

ہر روز اسے ان کا لیکچر سننا پڑتا تھا اور واپسی میں انہیں دن بھر کی روداد بھی سنانا ہوتی۔ اسے ایک دوست دستیاب ہو گئی۔ اس کا بھی کوئی دوست نہ تھا۔ یہاں گروپ بندی تھی۔ کئی کئی لڑکوں کی ٹولیاں ادھر سے ادھر منڈلایا کرتیں۔ لڑکیاں الگ گروپ بنانے کے ساتھ ساتھ لڑکوں کے ساتھ بھی بے محابا پھرتیں۔

روحی اب بہت مطمئن ہو گئی تھی۔ صبوحی کا ٹیوشن سینٹر کامیاب جا رہا تھا۔ عارف اور معروف بھی کبھی کبھار بچوں کو پڑھانے کے لیے وقت نکال لیتے۔ ابا پابندی سے پڑھا رہے تھے اور ناراض نہ تھے۔ صبوحی بھی اب مطمئن تھیں۔ بیٹوں کی قربت' گھر کے بہتر حالات۔ میاں سے بھی تعلقات بہتر ہو گئے۔

"بیٹا! دیر آید درست آید۔ مجھے یقین تھا کہ کبھی نہ کبھی میرے صبر اور برداشت کا صلہ مجھے ملے گا۔"

صبوحی' روحی کو مطمئن کرنے کے لیے روزمرّہ کے واقعات بتانے لگیں۔ معروف نے بھی بات کی اور بتایا۔

"ابا نے اپنے خاندان میں روحی کے لیے رشتے تلاش کر لیے ہیں مگر وہ لوگ بضد ہیں کہ روحی کو یونیورسٹی سے اٹھا لیا جائے۔ لڑکوں کے ساتھ پڑھنے والی لڑکی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اب تم ابا کو مطمئن

کرنا پھو واپسی کے لیے تیار رہو۔"
...نے سنا تو دماغ کو بے نقط سنا ڈالیں۔
"نہیں کرتے اعتبار تو مت کرو۔ ہم اپنی بچی کی شادی خود ہی کر لیں گے۔"
"کسی گورے کے ساتھ۔" روحی بڑبڑائی۔

✻ ✻ ✻

فخر نے صفی کو پکڑ کر بٹھا لیا۔ ادھر ادھر کی ہانکتا رہا۔ صفی کو بہت بے چینی ہو رہی تھی۔ گو کہ ان کی دوستی خاصی پرانی تھی مگر فخر جب سے یاسر گروپ میں شامل ہوا تھا، صفی اس سے بہت دور ہو گیا تھا۔

"یار! کوئی شعبہ تو ایسا ہونا چاہیے جس میں صرف لڑکے ہوں۔ اب تو یوں لگتا ہے جیسے خواتین کی حکومت قائم ہونے والی ہے۔" فخر نے لڑکیوں کے گزرتے ہوئے غول پر نظر جما کر شکوہ کیا۔

"جدھر دیکھو لڑکیاں، ہر ڈپارٹمنٹ میں لڑکیاں۔ آخر بزنس کی تعلیم حاصل کر کے یہ کیا کریں گی۔ وکالت، میڈیکل، انجینئرنگ، ہر جگہ لڑکیاں موجود ہیں۔"

"تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

"پڑھ لکھ کر شوہروں پر حکم چلائیں گی، رعب جمائیں گی۔ اس کے سوا اور کیا کر سکتی ہیں۔"

"رعب جمانے کے علاوہ بھی بہت کچھ کریں گی۔" صفی نے فخر کو مسلسل لڑکیوں کی جانب دیکھتے پا کر بدمزگی سے کہا۔ "جاب کریں گی، ماحول کو بہتر بنائیں گی۔"

"تو ہمارا حق تو مارا گیا، ان کو جاب آسانی سے ملے گی۔"

"لڑکیوں کا خیال ہے، مردوں کے مقابلے میں ان کو سروس مشکل سے ملتی ہے۔"

"قابلیت ہو تو ملے بھی۔"

"یہ تو نہ کہو، اب تو لڑکیاں ہی ہر جگہ ٹاپ کرتی نظر آتی ہیں۔" صفی نے اختلاف کیا۔

"تاہم جو وافر مل جاتا ہے۔ گھر میں بیٹھی رٹے مارا کرتی ہیں۔" فخر فوراً بات پلٹ گیا۔ "اور ہم..."

دوستوں اور تفریح میں ادھر ادھر وقت گزارتے ہیں۔ پڑھنے کے لیے یونیورسٹی ہے، نہ کہ گھر۔"

"تم گزارتے ہو ادھر ادھر وقت، مجھے تو گھر پہنچنے کی جلدی ہوتی ہے۔" صفی نے کہا۔

"تم کمزور جو ہو، اماں کے لاڈلے۔ گھر جاتے ہی کام میں لگ جاتے ہو۔ یار! گھر کے کام کرنا ہمارا فرض نہیں۔" فخر اعتراض کرنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیتا تھا۔

"اصل میں چھوٹے ہونے کا یہی نقصان ہے۔" صفی مسکرایا۔

"چھوٹا ہونے کا نہیں، فرماں بردار، سعادت مند ہونا نقصان کا سبب ہے۔ میری طرح تیوری چڑھا کر گھر میں گھسو، کسی بہن کو چیخ کر آواز دو۔ کرسی کو ٹھوکر مارو، گلاس گراؤ پھر دیکھو رعب۔ کام تو کام، مخاطب ہونے کی جرأت نہ ہوگی کسی کو۔" فخر نے فخریہ انداز میں سربلند کیا۔

"میں ایسا نہیں کر سکتا۔" صفی نے حتمی انداز میں کہا۔

"تو پھر بنے رہو خادم خاص۔" فخر منہ بنانے لگا۔

"یار! خادم خاص ہونا بھی اعزاز کی بات ہے بلکہ خادم خواص۔ گھر میں اماں ہیں، بڑے بھائی اور بھابھی۔ میری جگہ وہ کام کریں، یہ تو میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔"

"کیوں، تمہارے بھائی تمہاری اماں کے بیٹے نہیں ہیں؟" فخر ناک سکوڑ کر بولا۔

"وہ گھر کے سربراہ ہیں، مجھ پر ان کا احترام لازم ہے۔ میں اماں ہی کیا، بھابھی کا بھی کام کر دیا کرتا ہوں۔"

"بزدل ہو تم۔" وہ منہ بنانے لگا۔ "میری بھی اماں اور بڑے بھیا ہیں۔ میں تو پروا نہیں کرتا۔ کھاتا پیتا، عیش کرتا ہوں۔ رعب رکھا ہوا ہے سب پر۔ میرے غصے سے بڑے بھیا بھی ڈرتے ہیں۔ کہتے ہیں، اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ بڑا ہوگا تو خود ہی سنبھل جائے گا۔" انداز فخریہ تھا۔

صفی نے اسے بغور دیکھا۔ "تو تم ابھی خیر سے ننھے منے ہو، مگر عشق لڑانے کے انداز تو جوانوں والے ہیں۔"

"وہ تو یہ الگ بات ہے۔ جب ہر طرف لڑکیاں نظر آتی ہیں تو کوئی پسند بھی آ ہی جاتی ہے۔"

"کوئی؟ میرا تو خیال ہے تم ہر لڑکی پر فدا ہو۔"

"دانش وروں کے یہی انداز ہوتے ہیں۔"

"ہائے، دانش ور۔ بہتر تھا کسی اور سے بھی اپنے بارے میں رائے لے لیتے۔" صفی خفگی سے بولا۔

"حرکتیں تمہاری ایسی ہیں کہ میں شرمندہ ہو جاتا ہوں۔"

"میرے لیے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں، ڈھٹائی سب سے بڑا ہتھیار ہے۔"

"ڈھٹائی یا بے غیرتی۔ تم اس پر ڈٹے رہو، میرے پاس سچائی کا ہتھیار ہے۔ میں ایک زندہ حقیقت ہوں۔ میرا ضمیر زندہ ہے، ایمان تازہ ہے اور میں مطمئن ہوں۔"

فخر نے درد بھرا سانس کھینچا۔ "آہ.... صفی.... بے چارا.... کیسے کند ہتھیار رکھتا ہے۔"

"آج کے دور میں ان کی کوئی قدر نہیں، فرسودہ ہیں یہ الفاظ۔ زندگی ملی ہے تو عیش سے گزارو۔ خوشیاں حاصل کرو، ہر قیمت پر۔"

"قیمت کبھی کبھی خسارے کا سبب بن جاتی ہے اور میں ذاتی طور پر کسی خسارے سے دوچار ہونے کا خطرہ مول لینا پسند نہیں کرتا۔ خیر اور سناؤ، تمہاری امی، بھائی، بھابھی وغیرہ سب کا کیا حال ہے۔"

"یہ تم نے خاص طور پر بھائی، بھابھی کا ذکر کیوں چھیڑ دیا؟" وہ کچھ چوکنا ہو گیا تھا۔

"موضوع بدلنے کے لیے..... کیا میں تمہارے گھر والوں کی خیریت نہیں پوچھ سکتا؟"

"مگر خاص طور پر بھابھی کا، ان کا تو مزاج ہی ایسا ہے کہ ہر کسی سے فری ہو جاتی ہیں۔ ہر بات پر ٹھٹھے کرتی ہیں۔ سب گھر والے ان کی عادت سے نالاں ہیں۔ تم کوئی اور مطلب نہ نکال لینا۔"

"استغفار۔ فخر! تم کتنی غلط رائے رکھتے ہو میرے بارے میں۔ میں نیا تو نہیں ہوں، بچپن کا ساتھی ہوں۔"

صفی سے اس کے پاس بیٹھا نہیں گیا۔ وہ فوراً اٹھ کر آ گیا۔ سچ ہے، انسان کو اچھی صحبت نہ ملے تو وہ خود تو خراب ہوتا ہے۔ دوسروں کو بھی اپنا جیسا سمجھتا ہے۔ صفی کو صحیح معنوں میں فخر کی بات پر افسوس ہوا تھا۔

وہ اب کافی بدل گیا تھا۔ ہر بار اس کے ساتھ ایک نئی لڑکی ہوتی۔ نہ جانے کس طرح وہ لڑکیوں کو ورغلاتا تھا۔ ایک نئی لڑکی تھی اس کے ڈپارٹمنٹ تک رہنمائی صفی کے لیے مسئلہ بن گئی۔

فخر نے اسے دیکھا تو لپکتا ہوا آیا۔

"کون تھی؟ کب کی جان پہچان ہے؟ کیا بات کر رہی تھی؟ مجھے روکتے ہو اور خود.... چھپے رستم...."

فخر نے اپنے بقیہ دوستوں کو بھی بتایا۔ انہوں نے بھی صفی کا گھیراؤ کر لیا۔

"تم تو ایسے نہ تھے۔ چلو کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔"

"اب ملے تو ہمارا بھی تعارف کرا دینا۔"

صفی ہونٹ بھینچے ان کی بکواس سنتا رہا۔ وہ اگر بتاتا کہ وہ انجان تھی اسے صرف ہاتھ کے اشارے سے راستہ بتایا تھا، نام اس نے پوچھا ہی نہیں۔ وہ شکریہ کہہ کر چلی گئی۔ اتنی سی بات، اُف......

بعد میں بھی وہ پوچھتا رہا۔ "پھر ملی تھی وہ؟ ہے کون؟ دیکھنے میں اچھی ہے۔ دوپٹہ تو اس طرح کس کر لپیٹا ہوا تھا جیسے کوئی ملانی ہو۔ شاید فیشن کے طور پر دوپٹہ سر پر رکھا ہو۔"

بے سروپا سوالوں کے کیا جواب ہو سکتے تھے۔ فخر جانتا تھا کہ صفی کو لڑکیوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔ وہ بڑھاکو اور رٹو طوطے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ برا بھی نہیں مانتا تھا کیونکہ اس کا رزلٹ ہمیشہ بہترین ہوتا۔

✵ ✵ ✵

بھابھی کا شاپنگ کا پروگرام خاصا خطرناک ہوتا تھا۔

"بھابھی! مجھے پڑھنا ہے۔" صفی کراہا۔

"رات کو پڑھ لینا۔" بھابھی پر بھلا کیا اثر ہوتا۔

"ہائے چھوٹا ہونا بھی کیسی ستم ظریفی ہے۔" (یا شاید 'فرماں بردار ہونا')

"منہ نہ بناؤ۔ دیکھنا' آج تمہیں کتنا لطف آئے گا۔"

"مجھے چاٹ پسند نہیں۔" مگر کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ بھابھی نے اتنے پیار سے بازو پکڑ کر کھینچا کہ وہ کھنچتا چلا گیا۔

بھابھی کی عادت تھی کہ وہ خریدا ہوا اماں بھی دکان پر بھول آتی تھیں یا رقم دینا بھول جاتیں' ورنہ بقیہ لینا یاد نہ رہتا۔ چل پڑتیں' دکاندار ایماندار ہو تو رقم یا ان کا شاپر لیے پیچھے آتا' ورنہ رقم کا تقاضا کرتا۔ بھابھی کی اسی بھول پر بھائی بہت بھناتے تھے' اسی لیے ساتھ جاتے تھے اور ان کی شاپنگ کو خطرناک کا نام بھی بھائی نے دیا تھا۔ صفی کو بھی تاکید کرتے۔

"اپنی بھابھی کے ساتھ رہنا' ادھر ادھر گم ہونے نہ دینا' ورنہ وہ گھر آنا بھول جائیں گی۔"

بھابھی کا مسئلہ بھول جانا اور صفی کو ہنسی آجاتی۔ صفی کی ذمہ داری تھی کہ وہ بھابھی کی خریدی ہوئی چیزوں کا شاپر پکڑے' رقم ادا کرنے کی یاددہانی کرائے اور بقیہ رقم وصول کرے۔ ساتھ ہی انہیں نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے کیونکہ ان کو دائیں بائیں کا کچھ پتا نہ چلتا۔

"تمہارا دوست فخر کافی دن سے نہیں آیا' کیا بات ہے۔" راستے میں بھابھی نے پوچھا۔

"پتا نہیں' موڈی ہے۔ جب اس کا دل چاہا' آجائے گا۔"

"اس کی بہن ہے نا' وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔ شادی کرنا چاہتی ہے تم سے۔"

وہ رک کر بھابھی کو دیکھنے لگا۔ حیرانی اور پریشانی اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔

"اس کا فون بھی آتا ہے' خود بھی کئی بار آئی۔"

"مگر... میں تو اسے نہیں جانتا' اس کی تو... کئی بہنیں ہیں۔"

"چار۔ یہ نمبر دو ہے۔ مجھ سے مل کر انڈر اسٹینڈنگ پیدا کرنا چاہتی ہے۔"

"میں تو بھی کبھار فخر کے گھر جاتا ہوں' اب نہیں جاؤں گا۔" اس نے تہیہ کر لیا۔

"اچھا کرو گے۔" بھابھی مطمئن ہو گئیں۔ "مجھے فخر پسند ہے نہ اس کی بہن اور تمہاری شادی ہوگی میری ہی پسند سے۔ کسی اچھی سی لڑکی سے۔" وہ چپ رہا۔

"ویسے لڑکی وہ بری نہیں ہے مگر ان کے گھر کا ماحول عجیب ہے۔ چار بہنیں شادی کے قابل موجود ہیں' بھائیوں کو پروا نہیں۔ ایک نے اپنی پسند سے بیاہ رچا لیا' دوسرے کو آوارہ گردی بھا گئی۔ گھر میں بیٹھی رہیں گی تو یہی ہوگا۔ ایک بھائی کی کمائی اور ابا کی پنشن پر گزارہ مشکل ہے۔ پتا نہیں خاندان والے ان لڑکیوں پر کیوں توجہ نہیں کرتے۔ اپنے ہی خیال نہیں کریں گے تو غیروں کو تو کیا کہا جائے۔"

گفتگو کے درمیان ان کی نظریں دکانوں پر بھی مبذول رہیں۔ آخر ایک جگہ رک کر وہ چیزیں جانچتی اور قیمت چکاتی رہیں پھر چالیس منٹ بعد خیال آیا کہ یہ مہنگا بہت ہے۔ آگے بڑھ گئیں۔ جہاں انہیں ایک لڑکی نظر آگئی جو بھی وہاں آکر کھڑی ہوئی تھی۔

"ہائے صبوحی! تم یہاں؟" بھابھی نے جوش و خروش سے گلے لگایا۔

"روحی۔ صبوحی امی کا نام ہے۔" لڑکی نے متانت سے تصحیح کی۔

"ہاں ہاں' پتا ہے مجھے۔ تم بتاؤ' خیریت سے تو ہو۔ ادھر کہاں پھر رہی ہو؟"

"میں اب یہیں رہتی ہوں۔ نانی' ماموں کے ساتھ۔"

"اچھا اچھا' ہائے کتنی خوشی ہو رہی ہے تم سے مل کر۔ بتا نہیں سکتی۔"

"شکریہ۔" اس کی سنجیدگی میں کمی نہیں آئی۔

"میں اکثر تمہیں یاد کرتی ہوں۔ ہائے وہ میکے کی گلیاں' تمہاری امی کا اخلاق اور ان کے ہاتھ کے بے مزے دار کھانے۔ سچ ہاں۔ یہ میرا دیور ہے صفی۔ پوچھ

"کبھی آؤ ہمارے گھر۔" تو تمہارا اکثر ذکر کرتی ہوں میں۔ صفی منہ پھیرے زیرِ لب مسکرا دیا۔ "نام یاد نہیں۔ ذکر کرتی ہیں وہ بھی مجھ سے؟"

"تم کیا لینے آئی ہو؟" انہوں نے پوچھ لیا۔ اس نے چند چیزوں کے نام لیے۔

"ہائیں! یہاں کیوں کھڑی ہو گئیں۔ یہ تو مہنگا ہے۔ چلو میں تمہیں آگے سے سستی اور اچھی چیزیں دلاؤں۔"

وہ بھابھی کے پیچھے چل پڑی۔

بھابھی نے گھوم پھر کر خود بھی شاپنگ کی۔ اسے بھی دکانداروں سے لڑ جھگڑ کر قیمتیں کم کروا کے اس کی پسند کی چیزیں دلوائیں۔ وہ بے حد ممنون و مشکور بھی، بے حد خوش بھی۔ اب اسے بھابھی کی دکاندار سے بحث تکرار میں لطف بھی آ رہا تھا۔ لڑکی کے روانہ ہونے کے بعد بھابھی نے لمبا سانس کھینچا۔ سکون اور اطمینان سے لبریز۔

"آج کی یہ تفریح تمہیں یاد رہے گی۔ ہے نا؟" انہوں نے احسان جتایا۔

"میری تفریح؟"

"اوہو! ابھی لڑکی تمہیں دکھائی ہے۔ فخر کی بہن ہے تو اچھی ہے۔"

"فخر کی بہن کا کیا ذکر۔ آپ نے کیا محنت کی، وہ مجھے خود ہی نظر آ گئی۔"

"بھئی، میں تو تمہاری مرضی پوچھ رہی ہوں۔ تمہیں اچھی لگی ہے تو بات آگے چلاؤں۔"

وہ گڑبڑا گیا۔ "کیا....؟ بھابھی.... آپ بھی.... میں نے اس نظریے سے تو دیکھا نہیں تھا اور ویسے میں اسے دیکھتا رہتا ہوں۔ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔"

"اچھا یہ بات ہے پھر تو کوئی مسئلہ نہیں مگر تم دونوں تو یوں منہ کیے رہے جیسے خفا ہو ایک دوسرے سے۔ جان پہچان ہو تو بندہ مخاطب ہو ہی جاتا ہے۔"

صفی مسکرا دیا۔

گھر آ کر بھابھی نے اماں سے روحی کی تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ وہ اچھی خاصی اشتہاری ایجنٹ لگ رہی تھیں جو اپنی مصنوعات کی بڑھ چڑھ کر تعریف کرتا ہے۔ "اپنی مصنوعات؟" وہ سوچ کر ہنس دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ تو پڑھائی میں خاصا مصروف تھا مگر فخر کوئی ایسا ہونہار۔ صفی کو گھر کے بھی کام کرنے ہوتے تھے اور فخر تو فارغ تھا۔ وہ آ کر کہتا۔

"صفی کو بلا دیں۔"

بھابھی اسے باہر سے ہی ٹرخا دیتیں۔ "وہ پڑھائی کر رہا ہے۔"

"ذرا سی دیر کو باہر بھیجیں، ضروری بات کرنا ہے۔" وہ اصرار کرتا۔ ایک دن عاجز آ کر انہوں نے کہا۔

"کہاں سے بھیجوں، وہ تو کسی دوست کے گھر کمبائنڈ اسٹڈی کے لیے جاتا ہے۔"

"اوہ....." معنی خیز لہجہ۔ "تو یہ چکر ہے گھر والوں کو احمق بنانے کا اچھا بہانہ ہے۔ بھابھی! یہ کون سا دوست ہے جسے میں نہیں جانتا۔ یقیناً کوئی راز ہے۔"

"شکر ہے کہ تمہیں صفی نے رازدار نہیں بنایا۔"

بھابھی کو غصہ آتا تو وہ ان کی کم فہمی یا لاعلمی پر اظہارِ افسوس کرتا۔

"وہ اصل میں ایک لڑکی ہے، اس کے ساتھ چکر چل رہا ہے اس کا۔ بتاتا نہیں مگر ہمیں پتا چل جاتا ہے، اسی کے ساتھ گھومتا ہے۔"

بھابھی باقاعدہ ناراض ہو گئیں۔ انہیں تو فخر کے نام سے چڑ ہو گئی۔ اگر وہ اندر پڑھ نہ رہا ہوتا، تب بھی بھابھی کو ورغلانا آسان نہ تھا۔ انہیں صفی کے لمحے لمحے کی خبر رہتی۔ کئی بار اسی طرح وہ آ کر جھوٹ بول کر بھابھی کو ورغلانے کی کوشش کرتا۔ وہ بھی ضدی تھیں، کبھی ہوا لگنے نہ دی کہ صفی اندر ہی ہے۔ پڑھائی کے دوران صفی کو دروازے تک آنے کی اجازت نہ تھی۔

پہلے فخر سے اس کی اچھی گاڑھی چھنتی تھی۔ بچپن کا دوست تھا لیکن رفتہ رفتہ فخر کے دوستوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اس کی مصروفیات میں اضافہ ہوتا گیا۔ صفی

پیچھے ہٹ گیا۔ صفی کی اپنے بڑے بھائی سے بھی دوستی تھی۔ وہ ان کا احترام بھی کرتا تھا اور ان کے ساتھ کرکٹ بھی کھیلتا تھا بلکہ رازدار بھی تھا۔ وہ خود بھی اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات انہیں بتا کر ان سے مشورہ اور رائے لیتا تھا۔

انہوں نے بھی اپنا ہر مسئلہ اس کے ساتھ شیئر کیا تھا۔ یہاں تک کہ شادی میں بھی اس کا تعاون شامل تھا۔ بھابھی پنڈی سے لاہور کسی عزیز کی شادی میں شرکت کے لیے آئی تھیں۔ وہ عزیز اس کے بھی رشتے دار ہوتے تھے۔

اماں نے بیٹوں کو دکھایا، اس طرح پنڈی کی لڑکی دلہن بن کر لاہور آئی اور آتے ہی چھا گئی۔ اب وہی گھر کی نگراں، سربراہ بنی بیٹھی تھی بلکہ وہ حکمران تھی۔ وہ ایسی حکمران تھی جسے حکم دینے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ اشارہ کرنا ہی کافی ہوتا۔

لوگ کہتے تھے، وہ خوش نصیب ہے کہ اسے اتنے سادہ اور تعاون کرنے والے لوگ ملے تھے جن پر وہ حکومت کر رہی تھی۔

اور کچھ لوگ کہتے کہ یہ لوگ خوش قسمت ہیں جنہیں ایسی سمجھ دار اور شریف النفس خیر خواہ بہو ملی ہے یا یہ کہ اللہ کا وعدہ ہے۔ نیکوں کے لیے نیک اور بروں کے لیے بری شریک حیات۔

فخر کو گھر سے باہر رہنے کا شوق تھا، اسی لیے وہ صفی کے گھر کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ یوں تو نواز بھی اسی محلے کا تھا مگر فخر کی اس کے ساتھ دوستی بہت پرانی نہ تھی۔ اس دن فخر آیا تو دروازہ اماں نے کھولا مگر فخر کی آواز سنتے ہی بھابھی لپک کر اماں کے پیچھے آ گئیں۔ اماں کے بولنے سے پہلے ہی ڈپٹ کر بولیں۔ "فخر! میں نے بتایا ہے نا کہ وہ کسی دوست کے ساتھ پڑھائی کرتا ہے۔"

فخر نے کچھ غور کرنے کی شکل بنائی، بولا۔

"اچھا مگر میں تو یہ پوچھنے آیا تھا کہ وہ آج کل یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہا۔ اچھا تو وہ رات دن اسی دوست کے ساتھ پڑھتا ہے جسے کوئی جانتا نہیں۔"

"تم آج لائبریری گئے تھے؟"

"اوں، نہیں۔"

"کوئی پیریڈ بھی اٹینڈ نہیں کیا ہوگا۔"

"جی ج... وہ... یعنی کہ..." وہ کچھ کیا، خاصا سٹپٹایا۔

"تو پھر صفی تمہیں کہاں ملتا۔ اپنے جیسا سمجھا ہے تم نے اسے۔" بھابھی کا لہجہ گرم تھا۔

اماں نے فخر کو گھبرایا ہوا دیکھا تو بولیں۔

"وہ صبح اپنے بھائی کے ساتھ ہی جاتا ہے، تم اس سے کالج میں مل لینا۔"

اماں ابھی تک یونیورسٹی کو کالج کہتی تھیں۔ دراصل وہ ڈریں کہ بہو کوئی تلخ جملہ نہ کہہ دے فخر برا مان سکتا ہے۔ اندر آکر انہوں نے کہا۔

"بیٹا! خواہ مخواہ جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔" انہوں نے بہو کو نصیحت کی۔ وہ خود بھی جھوٹ کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ "بلاوجہ غلط بیانی سے کیا فائدہ۔"

"گویا کوئی وجہ ہو تو جھوٹ بولا جا سکتا ہے؟" بھابھی بھلا ماننے والی تھیں۔

"ویسے بھی مصلحتاً غلط بیانی جس میں کسی کا نقصان نہ ہو، وہ گناہ نہیں۔ ہم نے ایک اعلا درجے کے دروغ گو کے سامنے ذرا سی منحنی سی غلط بیانی ہی تو کی ہے۔ وہ تو ہمیں صریح جھوٹ کے ساتھ ورغلا رہا ہے۔ دوست کے ساتھ دغا بازی کوئی معمولی بات نہیں ہے۔"

"بھابھی کے گناہ ثواب کے خانے میں منحنی گناہ بھی موجود ہے۔ پتا نہیں اسے ثواب کے درجے تک پہنچنے کے لیے کیا کرنا ہوگا۔ ایک منحنی سی غلط بیانی۔" صفی ہنس رہا تھا۔

بھابھی نے آنکھیں نکالیں۔ "تم کون ہوتے ہو میرے گناہ ثواب کے درج خانے بنانے والے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں، تمہارے سامنے نہیں اور احسان ہے باری تعالیٰ کا کہ اس نے گناہوں کے لیے انسان کو مُنصف مقرر نہیں کیا۔ انصاف اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور میں اپنے کسی عمل کے لیے شرمندہ نہیں ہوں۔ مجھے اپنے اللہ پر یقین ہے کہ میری چھوٹی موٹی

غلطیاں وہ معاف کر دے گا۔"

"اللہ میری توبہ۔" صفی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "ملانی سے بحث کرنے میں ہمیشہ آخر میں توبہ کرنا پڑتی ہے اور ملانی بھی وہ۔۔۔ نصیحت بیگم۔"

اماں نے پرشفقت نظریں لاڈلی بہو پر ڈالیں۔ "گھر میں ملانی کی موجودگی برکت کا سبب ہوتی ہے اور تمہیں نصیحتوں کی سخت ضرورت ہے۔ شکر کرو، کوئی ہے نصیحت کر کے حق ادا کرنے والا۔"

٭ ٭ ٭

اگلے دن فخر نے لائبریری کی سیڑھیوں پر صفی کو پکڑ لیا۔ "بڑی پڑھائیاں ہو رہی ہیں۔ کون دوست ہے جو پرانے دوستوں کو بھلانے پر مجبور کر رہا ہے۔"

"یہاں سب پڑھنے ہی آتے ہیں۔" صفی نے اس کے پہلے جملے کا جواب دیا۔

"تو یہاں پڑھنے کے علاوہ اور دلچسپیاں بھی ہیں۔ ان کا لحاظ بھی کر لینا چاہیے۔"

"مجھے پڑھنے سے دلچسپی ہے اور تم۔۔۔ کس دلچسپی کی بات کر رہے ہو؟"

"یہ ہر سمت بکھری رنگینیاں، دوستوں سے ملاقاتیں، ساتھ مل کر ہلا گلا، کھانا پینا۔ یار! تم نے ہمیں چھوڑ دیا، ہم نہیں چھوڑیں گے۔ ادھر ادھر نظر بازی کر لینا چاہیے۔"

"میں اپنی کتابوں سے نظر بازی کر لیتا ہوں۔ تم آ رہے ہو اندر؟" وہ دروازے کے قریب پہنچ گئے تھے۔

"تم ہی جاؤ، عینک لگ جائے گی ایک دن۔ یاد رکھنا۔" وہ مڑ کر واپس چلا گیا۔

صفی اندر آ گیا۔ روحی کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی۔ یہ لڑکی کچھ مختلف تھی، اس کا گریز اور محتاط طرز عمل دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا۔ وہ کب اٹھ کر چلی گئی۔ اس نے غور نہیں کیا۔ جب وہ باہر نکلا تو یاسر اور فخر کی پوری ٹولی سامنے کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر تالیاں بجانے اور گانے لگے۔

"مبارک تمہیں خوشی کا یہ سماں۔"

وہ کچھ پریشان ہو گیا پھر ان کے جملے اور فقرے سن کر سمجھ گیا کہ روحی کو لائبریری سے نکلتا دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔

"آخر کار مطالعے کا ڈھونگ کام آ گیا۔"

"چلو، ہم بھی کتابوں میں سر دے کر بیٹھیں۔ ہمیں بھی کوئی جونک لگ جائے۔"

"تم لوگ۔۔۔ اگر کتابوں کو جونک بن کر لگ جاؤ تو تمہارا بھلا ہو گا۔" متانت سے کہتے ہوئے وہ وہاں سے چلا آیا۔

"یار! پری تو خوب دیکھ بھال کر چنی ہے تم نے۔" نواز نے اس کا راستہ روکا تھا۔

"اس کی دوست سے میرا تعارف کرا دو۔" اس کا لہجہ عجیب تمسخرانہ تھا۔

صفی نے تاسف سے اسے دیکھا۔ "نواز۔۔۔ نواز تم بھی۔۔۔ تم پر بھی یاسر نذیر گروپ کا اثر ہو گیا؟"

"ہر وقت کا ساتھ ہے، اثر تو ہونا چاہیے۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"ساتھ رہنے کا مطلب ہر غلط بات کو درست کہنا ہے؟"

وہ طنز نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن لہجہ خود بخود تلخ ہو گیا۔

"ان لوگوں کی صحبت ہم جیسے لوگوں کی ذہنی صلاحیت کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ ہم اپنے گھر والوں کی امیدوں کا سہارا ہیں۔ کب تک مایوس کرو گے انہیں۔ نواز! جن کے ساتھ رہ کر ان کا اثر قبول کر رہے ہو۔ انہیں یہاں کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ یہ بڑی بڑی گاڑیوں میں بیٹھ کر آتے ہیں۔ ایک کلاس میں تین تین سال لگا لینے سے ان کا نقصان نہیں ہوتا مگر ہم جیسے طلبا جن کے مستقبل کی طرف گھر والوں کی نظریں جمی ہوئی ہیں، جن کی خون پسینے کی کمائی ہماری بہتری کے لیے خرچ ہو رہی ہے۔ کیا ہم اس کا حق ادا کر رہے ہیں؟ ان بے فکرے سرمایہ دار لڑکوں کا اثر قبول کر کے اپنے مقصد سے غداری نہیں کر رہے؟ جب سے تم نے اس گروپ سے دوستی کی ہے، تمہاری

تھیں‘ قابلیت‘ لڑکیوں کا پیچھا کرنا‘ آوازیں کسنا‘ مضحکہ اڑانا رہ گئی ہے۔ ہر پیریڈ تم سے خالی ہوتا ہے‘ تم ہو فخر اور یاسر۔ کبھی سوچنا‘ ہمارے گھروں میں ہماری بہنیں ہیں‘ ان کو کوئی لڑکا تنگ کرے تو کیسا لگے گا تمہیں؟“

صفی کی تقریر نے نواز کو دم بخود کر دیا۔ فخر نے اسے باور کرایا تھا کہ ”صفی بھی چوری چھپے یہی کام کر رہا ہے جو ہم کھلے عام کرتے ہیں۔ وہ پڑھائی کا ڈھونگ رچا کر لڑکیوں کو متاثر کرتا ہے‘ ان کی توجہ حاصل کرتا ہے۔“

”مگر صفی! تم بھی تو...“ وہ ہکلانے لگا تھا۔ ”اکثر لڑکیاں تم سے باتیں کرتی ہیں‘ نوٹس مانگتی ہیں‘ کبھی تم سے کتابیں بھی لیتی ہیں۔“

”چونکہ ہم ایک ہی مقصد کے لیے یہاں آتے ہیں۔ جسے بھی ضرورت ہوتی ہے‘ میں مدد کر دیتا ہوں۔ نوٹس اور کتابیں لڑکے بھی مانگ لیتے ہیں۔ میں کسی کو انکار نہیں کرتا۔ اگر تم کلاس جوائن کرو‘ کوئی پیریڈ مس نہ کرو‘ اساتذہ کو اپنا آئیڈیل بنالو تو تم سے بھی سب کا یہی رویہ ہوگا نواز!“

صفی نے ہمدردانہ لہجے میں اس کے کندھے چھو کر کہا۔

”اپنے بھائی کی قربانیوں کا حساب کرو‘ کچھ احساس کرو‘ وہ ابھی تک صرف اس لیے کنوارے بیٹھے ہیں کہ تم تعلیم سے فارغ ہو جاؤ اور کام سے لگ جاؤ پھر دونوں مل کر گھر کی حالت سنواریں گے۔ بہنوں کی شادیوں سے فارغ ہو کر اپنے اور تمہارے بارے میں سوچیں گے۔ انہیں تم سے بڑی توقعات ہیں کہ تم ان کا بازو بنو گے۔ کیا تم نے غور کیا ہے‘ گھر میں کیا ہو رہا ہے‘ تمہارے بھائی قمیص کا پھٹا ہوا کالر مفلر سے چھپا کر آفس جاتے ہیں۔ تم نے تو کبھی پھٹی ہوئی قمیص نہیں پہنی‘ اس لیے کہ وہ نہیں چاہتے کہ دوران تعلیم تمہیں کسی بھی معاملے میں احساس کمتری ہو۔ جس کا بھائی اتنا چاہنے والا‘ خیر خواہ ہو‘ اس کے خواب پورے کرنے کے لیے تم کو صرف کامیابی کا راستہ اپنانا ہوگا۔ یاسر گروپ کے ساتھ رہ کر ان کا اثر قبول کرنا نہیں۔“

نواز متاثر ہو گیا۔ بھائی کی پیوند لگی قمیص اور پھٹا ہوا کالر وہ خود بھی دیکھ چکا تھا۔ خود دیکھنا الگ بات ہے‘ دوسرا کوئی دیکھ کر احساس دلائے۔ شرمندگی سے وہ چپ ہو کر رہ گیا۔

اب اس نے اپنا طریقہ کار بدل لیا۔ اکثر لائبریری میں بیٹھا ملتا۔ اس نے خود کو کتابوں میں گم کر لیا۔ اب اس کی دلچسپی کا محور صرف مطالعہ تھا۔

☼ ☼ ☼

اس دن بھی فخر اور یاسر وغیرہ نے صفی کا گھیراؤ کر کے اس سے اگلوانے کی کوشش کی کہ وہ لڑکی روحی آخر صفی کے گھر کس لیے آئی تھی‘ فخر نے اسے ایک پردہ نشین خاتون کے ہمراہ صفی کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ گو کہ صفی نے اسے گھر آتے نہیں دیکھا تھا مگر بھابھی سے سنا تھا کہ وہ نانی کو لے کر آئی تھی۔ یہی بات اس نے بتادی۔

”وہ بھابھی کی پنڈی میں پڑوسی تھی‘ آج کل یہاں نانی کے گھر میں رہتی ہے۔“

”بڑی معلومات ہیں بھئی! آخر کوئی وجہ تو ہوگی۔ آنے جانے پھر اور آگے...“

”وہ بھابھی سے ملنے آئی تھی‘ بس ختم کرو۔ کسی پاک دامن لڑکی کا ذکر بھی لڑکوں کے درمیان ہونا‘ نامناسب ہے۔ نہ کہ الزام اور بدگمانیاں۔“ صفی کو غصہ آگیا۔

”اوہو... ہو... بھئی ہمدردیاں‘ نصیحتیں...“

”ایسی ہمدردیاں میں ہر لڑکی سے کرتا رہا ہوں۔ فخر! کیا پہلے میں نے نصیحت نہیں کی تمہیں؟“

اور جب وہ لوگ صفی کا مضحکہ اڑا رہے تھے۔ نواز سامنے بنچ پر بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ اس نے ان لوگوں کی طرف نظر ہی نہیں ڈالی۔ فخر اور یاسر کے ہاتھوں کے اشارے سے بلاوے کو نظر انداز کر کے صفی کے دیے ہوئے نوٹس اتارتا رہا۔ یاسر کے اثر سے کوئی نکل جائے‘ یہ اس کی توہین تھی۔ سب کی مشترکہ کوششوں کا اس پر اثر نہ ہوا۔ اب اسے بھائی کی پھٹی‘ بدرنگ قمیص بھی نظر آگئی۔ بہنوں کی ٹوٹی ہوئی بار بار سلی ہوئی

چپلیں بھی۔ اماں کی گرگابی میں ٹھکی ہوئی کیلیں اس کے دماغ میں چبھتی رہیں اور اس احساس نے اسے اپنا مقصد یاد دلا دیا تھا۔

بھائی اس کی پرانی قمیص خود پہن لیتے۔ اس کے لیے نئی لا دیتے۔ گویا پورا گھرانہ اس کے ٹیپ ٹاپ کی بدولت خود بوسیدگی کی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ صرف اس کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد کی امیدوں کے سہارے صبر و قناعت کو اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا اور ایک دن چھوٹی بہن کو گھر میں دیکھ کر سوال کیا تو جواب ملا کہ "وہ نواز کے فارغ ہونے کے بعد تعلیمی سلسلہ جاری کرے گی۔ ابھی فیس ادا کرنے کی طاقت نہیں۔"

اس نے فوراً "فیصلہ کرلیا۔ شام کو فارغ وقت میں ٹیوشن لے لیں اور افسوس بھی ہوا کہ یہ کام اب سے پہلے کیوں نہیں کیا تھا۔ نہ صرف بہن کی فیس بلکہ اپنی ضروریات بھی پوری ہوتی نظر آرہی تھیں۔

بھائی نے منع کیا کہ ابھی خود تو تعلیم سے فارغ ہو جاؤ پھر ٹیوشن لے لینا مگر اب اسے اپنی منزل نظر آرہی تھی اور گھر والوں کی قربانیاں بھی۔ صفی کو بے حد خوشی تھی کہ اس کی نصیحت کے باعث ایک نوجوان بگڑنے سے بچ گیا۔ اس نے فخر کو بھی سمجھایا مگر وہ خود کو درست سمجھتا تھا۔

"اس سال نہیں تو اگلے سال پاس ہو جاؤں گا۔ کیا فرق پڑتا ہے اور ڈگری ہمیں کیا دے گی، ایک چھوٹی موٹی نوکری، بس۔"

"ڈگری کے فائدے تو ہیں، نقصان کوئی نہیں۔ کم از کم اس نوکری سے تم اپنا خرچ نکال سکو گے۔"

"ارے بھائی! اپنا خرچا ہی کیا ہے۔" فخر ہنس دیا۔

"لڑکیوں سے دوستی کے فائدے بھی بہت ہیں۔ کوئی پرفیوم گفٹ کرتی ہے، کوئی پینٹ، کوئی ٹی شرٹ بلکہ ریزر برش، ٹوتھ پیسٹ تک مل جاتے ہیں۔ دولت مند لڑکیوں سے دوستی خاصا نفع بخش کاروبار ہے۔"

"اچھا... اس کاروبار میں کیا لینا ہی لینا ہے، دینا نہیں؟"

"بس کبھی آئس کریم یا کولڈ کافی۔"

"فخر! تمہارے بھائی کی کمائی میں پورا گھر چل رہا ہے، اگر اس سال تم پاس نہ ہوئے تو اگلے سال پھر اور تمہاری کامیابی کے لیے تمہاری اماں اور بھائی کتنے بے چین اور منتظر ہیں۔ تمہاری کامیاب زندگی کے لیے دعاگو۔"

"تو بھئی، اب بھی کیا ناکام ہے میری زندگی۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

صفی اس کی بے حسی سے پریشان ہوگیا۔ وہ کیسے بتاتا کہ اس کی اماں خود صفی کے گھر آکر اس سے درخواست کرگئی ہیں کہ وہ فخر کو سمجھائے۔ اماں سے انہوں نے وہ وظیفہ بھی پوچھا جس سے صفی کو قابو میں کیا تھا۔

وہ حیران بھی تھیں کہ ان کی اتنی پرانی دوستی میں دراڑیں کس نے ڈالی ہیں کہ صفی اب ان کے گھر آتا بھی نہیں۔ اگر صفی اسے اپنے ساتھ ملائے رکھے تو فخر بھی اس سے کچھ سیکھ لے۔ اچھی صحبت کا اثر کچھ ہوتا ہی ہے۔ اس کے طور طریقے تو کسی نواب زادے جیسے ہیں، شاہانہ۔ کسی سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا۔ بہنیں شادی کے قابل ہو چکی ہیں مگر معاشی حالات شادی کے اخراجات کا بوجھ نہیں سہار سکتے۔ بڑے بیٹے کی آمدنی میں گزارا ہو رہا ہے لیکن کسی قسم کی عیاشی کی گنجائش نہیں۔ بہو یوں تو ہنس مکھ ہے مگر دیور کے نکھٹے پن سے نالاں۔ وہ اپنے دکھ عیاں کرتی رہیں۔ اماں سن کر چپ رہیں مگر بھابھی سے بھلا چپ رہا جاتا، فوراً بولیں۔

"خالہ جان! لڑکوں کو چیک کرتے رہنا چاہیے۔ وہ کہاں جاتے ہیں، کس سے ملتے ہیں، کیسی صحبت ہے۔"

"لو، کون چیک کرے۔ بھائی کو کنبہ پالنے کے لیے زیادہ کمائی کی ضرورت ہے، وہ اسی میں لگا ہوا ہے۔ فخر غصے والا ہے، کسی کی سنتا بھی نہیں۔"

"اس نے اپنے غصے سے آپ کو ڈرا دیا، آپ ڈر گئیں۔ کیسی ماں ہیں آپ؟"

بے چاری پریشان ہوگئیں۔ مزید عقدے کھولنے

لگیں۔ اس کا غصہ، طنطنہ، بہترین لباس، خوشبو میں نہایا رات کو گھر میں گھستا ہے، چیختا چلاتا۔ کسی کی مجال نہیں کہ ہوں بھی کر لے۔ پڑھتے ہوئے تو کسی نے دیکھا نہیں۔ رات بھر فلمیں دیکھا کرتا ہے۔ شور شرابے والی۔ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتا۔

"اور آپ سب برداشت کر لیتے ہیں۔ بھائی، بھابھی بھی؟ میں تو اگر صفی کو ایسی نامناسب حرکتیں کرتے دیکھوں تو کان پکڑ کر گھر سے نکال دوں۔"

"نہیں۔ ہیں۔ تم....." وہ آنکھیں پھاڑے بھابھی کو دیکھنے لگیں۔

"ہاں، تو اور کیا۔ اس طرح کے لڑکے کا گھر میں گزارا نہیں، نا بابا۔"

فخر کی اماں کے ہوش اڑ گئے۔ ماں کے سامنے بہو کہتی ہے کہ وہ دیور کو گھر سے نکال دے گی۔ ایسا حق تو انہوں نے اپنی بہو کو نہ دیا تھا۔

"خالہ جان! آپ ماں ہیں نصیحت کیا کریں۔ کبھی تو اثر ہوگا۔ بہنیں پیار سے سمجھائیں، بھائی ڈانٹ ڈپٹ کریں۔ اس طرح تو لڑکے بگڑ جاتے ہیں۔ یہ خود مختاری اور آزادی اپنے عیبوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اداکاری لگتی ہے مجھے۔ آپ اسے گھر سے نکلنے کا آرڈر دے دیں پھر دیکھیں تماشا۔"

اور اس کے بعد جب فخر کی شامت آئی تو صفی سے ملنے گھر آگیا۔ بھابھی کو موقع مل گیا۔

"فخر! تم نہ بہرے ہو نہ عقل سے پیدل۔ تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا کہ صفی دوست کے ساتھ پڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس کے پاس آوارہ گردی کے لیے ٹائم نہیں ہوتا۔"

"بھابھی! مذاق نہ کریں۔ اتنا پڑھنا؟ یہ کام تو لڑکیوں کا ہوتا ہے۔ یا طوطے رٹ رہے ہوتے ہیں۔ کیا صفی کی جنس بدل گئی ہے۔ واقعی؟ یا پھر آپ کو غچہ دے کر کسی من پسند دوست کے پاس گیا ہے۔"

ڈھٹائی تو فخر پر ختم تھی، بھابھی کو غصہ آگیا۔

"ایسی سوچ تمہاری ہی ہو سکتی ہے۔ تم کو نہ اپنے بھائی سے محبت ہے۔ نہ ماں کی فکروں سے کوئی غرض۔ پکی پکائی مل جاتی ہے۔ چھت کا آسرا ہے۔ اسی لیے ہری ہری سوجھ رہی ہے۔ آج تمہارا ہے۔ لیکن کل جب نہ یہ چھت رہے گی نہ کمرہ نہ نرم بستر۔ پھر کون ہوگا تمہارے نخرے اٹھانے والا۔ پکی پکائی دینے والا۔ تمہاری فکر کرنے والا۔"

"اوہ۔ اوہ۔ اللہ معافی۔ بد دعا تو نہ دیں۔ بھلا میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔"

"میرا نہیں۔ مگر صفی کو بگاڑنے کی تمہاری کوشش جاری ہے۔ تم دوست نہیں دشمن ہو۔"

"اچھا۔ آپ ذرا اس دوست کا نام تو بتا دیں جس کے ساتھ وہ پڑھتا ہے۔"

بھابھی نے کچھ رک کر کہا۔ "اچھا۔ بتاتی ہوں۔ گو کہ کسی دشمن سے ملنے کی صفی کو اجازت نہیں۔ چلو اندر آؤ۔ تو اس کا پتا دوں۔"

فخر کچھ حیران، کچھ شرمندہ سا اندر آیا۔ بھابھی اسے اماں کے کمرے میں لے آئیں۔ سامنے کرسی پر صفی بیٹھا تھا۔ میز پر کتابیں، فائلیں کھلی ہوئی تھیں۔ اماں ابھی نماز سے فارغ ہو کر وظیفے میں مصروف تھیں۔ فخر کی حیرانی بجا تھی۔

"یہ دوست ہے۔ اور جب جب تم یہاں آتے رہے۔ صفی اسی جگہ بیٹھا پڑھتا تھا۔ تم جھوٹ پہ جھوٹ بول کر ہمیں الو بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ تف ہے تم جیسے دوست پر۔ لو۔ دیکھ لو۔ ماں کی دعاؤں کے حصار میں۔ کاش تم نے بھی کبھی ماں کی دعائیں لی ہوتیں۔"

صفی مسکرا رہا تھا۔ فخر کچھ شرمسار تھا۔ "تمہاری بھابھی مجھے بہت ڈانٹتی ہیں۔"

"اگر تمہاری بھابھی تمہاری حرکتوں پر تمہارے کان کھینچتی تو مجھے گوشمالی کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔"

بھابھی کہہ کر باہر آگئیں۔ صفی، فخر کو اپنے کمرے میں لے گیا۔

"بھابھی کی ڈانٹ کا برا نہ ماننا۔ وہ خیر خواہی میں باتیں سناتی ہیں۔"

انہیں سر پر بٹھا رکھا ہے۔" فخر
"ہم تو وہ لوں نے
احمد اضافہ کہ کر بولا "میں تمہارے پاس ضروری کام
سے آیا تھا۔"
"ہاں کہو۔" صفی کو سر پر بٹھانے کا جملہ پسند تو نہیں
آیا۔ مگر۔
"یار۔ وہ لڑکی ہے نا۔ روحی۔"
"ہاں ہاں۔ کیا ہوا اسے؟" وہ بے چینی سے بولا۔
"ارے کیا ہونا تھا۔ مجھے اس سے محبت ہو گئی
ہے۔" فخر بے باکی سے بولا۔ صفی کے دل پر ضرب
پڑی۔ اس کے کانوں میں کسی نے گرم سیال انڈیل
دیا۔
"فخر... کسی لڑکی کے بارے میں...."
"وہ... میری محبت ہے۔"
"جانتا ہوں۔ جیسی شہلا تھی۔ ریحانہ' عذرا' اور
بے شمار بدلتی رہتی ہیں محبتیں۔ اور محبتوں کے نام
بھی کتنے آئے تھے؟"
صفی کا دل چاہا' اسے اٹھا کر گلی میں پھینک آئے۔
کس قدر ڈھیٹ شخص ہے۔ بھابھی سچ کہتی ہیں۔ یہ
ملنے کے قابل نہیں۔
"میں... یار! میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔
بھابھی سفارش کر دیں تو بات بن جائے گی۔"
وہ سفارش کی غرض سے آیا تھا۔ صفی کو ہنسی آ گئی۔
شادی۔ اور فخر۔
"ابھی تم زیر تعلیم ہو۔ ذرا سوچو' یہ کیسے ممکن
ہے۔"
"ابھی صرف منگنی ہو جائے۔" (واہ فخر صاحب
ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش۔)
صفی کا دل زور سے دھڑکا۔
"دراصل میں اچھی لڑکیوں کی شادی جلدی ہو جاتی
ہے۔ وہ ہر کسی کی نظر میں آ جاتی ہیں۔ اس لیے۔"
بھابھی چائے لائیں تو فخر نے ٹہوکا دیا۔ صفی نے بھابھی
کو فخر کی فرمائش کا بتایا۔ بھابھی نے اسے گھورا۔
"ٹھیک ہے۔" بھابھی نے آرام سے کہہ کر صفی
کے دل میں خنجر اتارا۔

"روحی کی ای ایم ایس سی گولڈ میڈلسٹ ہیں۔
روحی کو بھی تین چار سال کمپیوٹر انجینئر بننے میں لگ
جائیں گے۔ اس کے بعد منگنی ہو سکتی ہے۔ انتظار
کرو۔"
"قسمت کی کسے خبر۔ بھابھی! کوشش کرنے میں تو
کوئی حرج نہیں۔" فخر ہچکچایا۔
"ہاں۔ کوئی حرج نہیں۔ اس کے اپنے خاندان میں
رشتے موجود ہیں۔ مگر نانی کی مرضی نہیں۔ وہ وقت
آنے پر ہی فیصلہ کریں گی۔ تم انتظار کر لو۔ یا پھر نانی کی
چھٹی سلیپر کھانے کے لیے چلو۔"
"دراصل اس لڑکی میں کئی لڑکے انٹرسٹڈ ہیں۔
کہیں.... وہ۔ اس لیے میں نے سوچا کہ آپ چونکہ ان
کی پڑوسن ہیں اس لیے شاید وہ آپ کی بات...."
"واہ۔ تم نے شادی کو بھی گڈے گڑیا کا کھیل سمجھ
لیا ہے۔" بھابھی تیکھے لہجے میں بولیں۔ "کہ بھئی۔ آؤ'
پڑوسی پڑوسی کھیلتے ہیں۔ اپنے دماغ کا علاج کراؤ۔ نانی تو
زیر تعلیم کا سن کر ہی جوتا کاری شروع کر دیں گی۔ بھائی!
پہلے کچھ بن کر دکھاؤ۔ پھر شادی کا نام لینا۔ چار بہنیں
غیر شادی شدہ بیٹھی ہیں۔ پہلے ان کو ان کی سسرال
پہنچاؤ۔ یہ تمہارا فرض ہے۔ اور جب تک تم تعلیم سے
فارغ ہو کر کہیں کام سے نہیں لگ جاتے۔ اکیلے
تمہارے بھائی کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہیں بھی ان کی مدد
کرنا ہو گی' اتفاق میں برکت ہے ___ دو مل کر ایک اور
ایک گیارہ بن جاتے ہیں۔ اپنے سر سے اپنے اوٹ
پٹانگ خیالات اور غیر ضروری شوق اتار کر حقیقت
پہچانو۔ پھر کسی کا نام لینا۔ ابھی تم زیرو ہو۔ ہیرو بنو گے تو
میں سفارش کر سکتی ہوں۔"
فخر کا رنگ فق ہو گیا۔ "بہنوں کی شادیوں کے بعد
ہیرو بن جاتے ہیں کیا؟"
"اپنے فرائض کی ادائیگی سے انسان ہیرو بن سکتا
ہے۔ قابلیت ظاہر ہو گی تو ہیرو بننے کے چانس ہوں
گے۔"
بھابھی نے اسے خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ وہ
خاصا مایوس ہو کر گیا۔ مگر اس پر بھابھی کی تقریر کا خاص

اثر نہ تھا۔ وہ اب بھی یاسر کے ساتھ پھرتا تھا۔

یاسر نے روحی کا پیچھا نہ چھوڑا۔ روحی کچھ مختلف تھی۔ یاسر کسی پر توجہ دے اور وہ اسے گھاس نہ ڈالے۔ یہ ایک نئی روایت تھی جو یاسر کے لیے چیلنج بن گئی۔ صفی ان لوگوں کو روحی کے آس پاس منڈلاتے دیکھا کرتا تھا اور تاسف کرتا۔ کیا ان لوگوں کو کوئی کام نہیں۔ کہ اپنا وقت لڑکیوں کی توجہ حاصل کرنے میں ضائع کر رہے ہیں۔ افسوس تو فخر کی حرکات پر بھی ہوتا تھا۔ جسے نہ بھائی بہنوں کا خیال تھا نہ کسی نصیحت کا اثر ہوتا تھا۔ وہ اب بھی روحی کی تمنا لیے اس کا پیچھا کرتا نظر آتا۔ یہ سوچے بغیر کہ روحی اس حرکت پر کس قدر برہم تھی۔

ایک دن یاسر نے روحی کو تنہا دیکھ کر قسمت آزمانے کا ارادہ کیا۔ قیمتی لباس، بہترین پرفیومز میں نہایا اسٹائل سے قدم اٹھاتا روحی کے قریب آیا۔

"او ہیلو!" وہ روحی کے ماتھے پر بل دیکھ کر ذرا سا ہکلایا۔

"آپ سب سے الگ تھلگ کیوں رہتی ہیں۔ ہم ایک درسگاہ میں زیر تعلیم ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کا تعارف۔ میرا مطلب ہے۔ دوستی رکھنا چاہیے۔ گپ شپ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

اس نے کندھے اچکائے۔ بیگ گلے میں ڈالا۔ کھڑے ہو کر رکھائی سے بولی۔ "میں یہاں پڑھنے آتی ہوں۔ دوستیاں کرنے نہیں۔"

یاسر کو غصہ آیا مگر ضبط کر کے ایک بار پھر کوشش کی۔

"مگر حرج کیا ہے۔ اپنے مسائل ڈسکس کرنے اور کبھی کبھار مل بیٹھنے میں۔"

"بلاوجہ فضول وقت ضائع کرنے میں میرا تو بہت حرج ہوگا۔" کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

یاسر کا غصہ بہت برا ہوتا تھا۔ مگر وہ دانت پیسنے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ "سمجھتی کیا ہے خود کو۔ ذرا سا مخاطب کر لیا تو دماغ ہی خراب ہو گیا۔"

یونیورسٹی میں یہ خبر پھیل گئی کہ یاسر کو ایک نک چڑھی لڑکی نے ٹکا سا جواب دیا ہے۔ یہ خیال عام تھا کہ یاسر کسی معمولی لڑکی کو تو گھاس ڈالتا نہ تھا۔

سمانہ نے روحی کو سمجھایا۔ "ذرا خیال رکھنا۔ یاسر گروپ کو دشمن نہ بنا لینا۔"

"دشمن؟ مگر کوئی وجہ تو ہوگی۔"

"تمہاری سختی، بے نیازی۔ دوستی کی پیش کش رد کر دینا۔"

"عجیب بات ہے۔ میرا ان سے واسطہ ہی کیا ہے جو دوستی کروں۔ وہ بھی لڑکوں سے۔"

"ہم لڑکوں کے ساتھ پڑھتے بھی تو ہیں۔ یہاں ساری عمر تو رہنا نہیں ہے۔ تھوڑے عرصے کے لیے دوستی کر کے مخالفت سے بچا جا سکتا ہے۔ تم ذرا آرام سے بات کر لیا کرو۔"

"آرام سے۔ تاکہ وہ مغالطے میں مبتلا ہو جائے۔ نہیں سمانہ۔ ہمارے مذہب میں کسی نامحرم سے نرمی سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر ضروری بات ہو تو سختی سے کی جائے تاکہ وہ کسی شک میں مبتلا نہ ہو۔"

"مگر مذہب کو یہاں مانتا کون ہے۔"

"میں تو مانتی ہوں۔"

جب بھی یاسر روحی سے بات کرنا چاہتا۔ صفی نہ جانے کس طرح سامنے آجاتا۔ یاسر کچھ کہہ نہ پاتا جھلا کر رہ جاتا۔ اور روحی کو بڑی تقویت ہوتی۔ یوں لگتا جیسے وہ اس کو کمک پہنچانے آتا ہے۔ بلکہ سمانہ اور ثمینہ کا تو خیال تھا کہ وہ اس کی نگرانی کرتا ہے۔ یاسر، فخر وغیرہ کے روحی کی طرف بڑھتے قدم روکنے کے لیے وہ کبھی کسی دیوار کے پیچھے سے یا کسی جھاڑی کی آڑ سے نمودار ہو کر ان کے ارادے باندھ دیتا۔ کبھی سڑک پر چلتے ہوئے یا گیٹ کی سمت جاتے ہوئے بھی وہ جب فخر یاسر وغیرہ کو ادھر جاتے دیکھتا۔ روحی کے پیچھے چل پڑتا۔ روحی خود میں ایک قوت بڑھتے محسوس کرتی۔

مگر ایک دن اسے موقع مل ہی گیا۔ وہ اکیلی تھی۔ اور یاسر بھی تنہا تھا۔ اس کا کوئی ساتھی دور دور نظر نہیں آیا۔ صفی بھی آس پاس نہیں تھا۔

"مجھے آپ سے بات کہنا تھی۔" وہ نرم لہجے میں مخاطب ہوا۔

"جی فرمایئے۔" شاید ایسے ہی موقعے لڑکیوں کو مجبور کردیتے ہوں گے۔

"میں آپ سے بہت متاثر ہوں۔ بہت عزت کرتا ہوں آپ کی۔ آپ کی شخصیت' باوقار انداز نے بہت سے لوگوں کو آپ کا گرویدہ کردیا ہے۔"

"شکریہ۔" کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔" وہ اس کے پیچھے آرہا تھا۔ "میں کہنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ کو کبھی کوئی کام ہو۔ یا ضرورت پڑے۔ مجھ سے کہہ دیا کریں۔ میں ایک اچھے دوست کی طرح آپ کے کام آکر خوشی محسوس کروں گا۔"

"شکریہ۔ چونکہ لڑکوں سے دوستی نہ تو ہمارے مذہب میں روا ہے نہ معاشرے میں پسندیدہ ہے۔ اس لیے میں بس ایک ہی رشتہ استوار کرسکتی ہوں۔ بھائی بہن کا رشتہ۔ گو کہ ہمارے مذہب میں تو اس نقلی رشتے کی بھی گنجائش نہیں۔ لیکن آپ کے خلوص کی خاطر اور ویسے تو...." وہ مسکرائی "شاید آپ نے اپنا بھی کوئی کام نہ کیا ہوگا۔ تو میرا کیا کریں گے۔ اس کے علاوہ میرے آپ کے سبجیکٹ ہی الگ ہیں۔ ڈیپارٹمنٹ مختلف ہیں۔ اس لیے بھلا کیا مدد لوں گی۔ پھر بھی ایک بڑے بھائی کی حیثیت سے آپ میرے لیے محترم ہیں۔"

یاسر کا چہرہ ستُ گیا۔ رنگ بدل گیا۔ "کیا آپ ہر کسی سے بھائی کا رشتہ استوار کرلیتی ہیں۔"

"اس میں نقصان بھی کوئی نہیں۔ چونکہ ہم ایک ہی ادارے سے منسلک ہیں۔ اس لیے بہتر اور پاکیزہ رشتہ کوئی ہو نہیں سکتا۔ میں تو یہاں تعلیم کے لیے آئی ہوں۔ رشتے بنانے مجھے آتے نہیں۔ لیکن آپ کے اصرار پر۔ پہلی اور آخری بار ایک مقدس رشتہ قائم کررہی ہوں۔ اس کو نبھانا آپ کا فرض ہوگا۔"

یاسر ہونٹ چباتا رہا۔ وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئی۔ یاسر اب اس برے وقت کو رو رہا تھا جب موقعہ غنیمت جان کر اس نے روحی پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ حیران بھی تھا۔ آج تک کوئی لڑکی اس سے بات کرنے کے بعد اس قدر بے نیاز نہیں ہوئی تھی۔ لڑکیاں تو اس سے بات کرنے کی منتظر رہتی تھیں۔ کس دنیا کی لڑکی ہے۔ جو مرعوب ہوئی۔ نہ متاثر' احمق ہے یا نڈر۔ رشتہ بھی ایسا جوڑ لیا کہ گنجائش ہی نہیں رہی۔

یاسمین نے سنا تو سر پیٹ لیا۔ "روحی! کیا کررہی ہو تم۔ یاسر نے تم سے اگر دشمنی کا رشتہ جوڑ لیا تو اسے نبھائے گا۔ تمہارے رشتے کی پروا نہیں کرے گا۔"

"مگر کیوں؟"

"کیونکہ یہ ایک نئی سی بات ہے۔ وہ یہاں نہ جانے کتنے سالوں سے پڑھ رہا ہے۔ اس سبجیکٹ کو چھوڑ کر دوسرا پکڑ لیا۔ اسے چھوڑا' تیسرا پکڑ لیا۔ یہی حالت اس کے عشق کی تعداد کی ہے۔ ایک کے بعد دوسری پھر تیسری لڑکی۔ اسے چھوڑ اسے پکڑ۔ پرانا کھلاڑی ہے۔ یونیورسٹی میں پاپولر ہے۔ لڑکیاں ترستی ہیں اس سے بات کرنے کو۔"

"کیوں؟"

"بس۔ اس جیسا کوئی اور ہے جو نہیں۔ شہزادے کی شان سے آتا ہے۔ خوشامدی' جی حضوریے ساتھ لے کر۔ قابلیت کو سلام کرتے ہیں۔"

"یہ کیا قابلیت ہے۔ سالوں سے پڑے ہیں۔ نکلنے کا نام نہیں لیتے۔ پروفیسر اکتا گئے ہوں گے دیکھ دیکھ کر۔"

روحی کی بات پر یاسمین کو ہنسی آگئی۔

"کہتی تو درست ہو۔ کسی پروفیسر سے پوچھ کر دیکھتے ہیں۔ مگر وہ بھی اس کے گن گاتے ہیں۔ عادت ہوگئی ہے اس کی موجودگی کی۔"

"ہاں چلا جائے گا تو یونیورسٹی کے خلا کو کون پُر کرے گا۔" روحی پُرسوچ انداز میں بولی۔

"وہ یاسر کا چمچہ نمبر ون فخر عالم ہے ناں۔" دونوں خود ہی ہنسنے لگیں۔

یاسر اب کچھ خاموش اور الگ الگ رہنے لگا تھا۔ وہ کسی اور کام میں مصروف تھا۔ سمانہ کا خیال تھا کہ وہ

امتحانوں سے پہلے حسب معمول اپنا ڈیپارٹمنٹ تبدیل کرنے والا ہے۔

یاسمین خوف زدہ ہو گئی۔ "میں نے اگر کہیں ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں گھسنے کی کوشش کی تو۔ روحی کی شامت آئی۔ اب وہ کیسے بچے گی۔"

اس دن وہ دونوں سبزہ زار پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ یاسر نے پیچھے سے آکر انہیں حیران کر دیا۔

"کیا کر رہی ہیں آپ لوگ۔ پیریڈ مس کرنے کا پروگرام ہے؟"

رعب دار آواز میں اس نے کہا۔ یاسمین کا دم فنا ہو گیا۔ مارے ادب کے وہ کھڑی ہو گئی۔ اور گردن جھکائے منمنا کر کچھ کہا بھی۔ جس پر یاسر کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

روحی نے بیٹھے بیٹھے ہی گردن اٹھا کر کہا۔ "آپ کو کیا؟ ہم کچھ بھی کریں۔"

یاسمین، روحی کو کوسنے لگی دل ہی دل میں۔

"سر..... سر جہانگیر نہیں آئے تھے اس لیے۔"

"میں..... بطور بڑے بھائی کے آپ سے جواب طلبی کا حق رکھتا ہوں۔" یاسر نے رعب جمایا۔

"آپ بڑے بھائی کب سے بن گئے۔"

"چلو یاسمین! اگلا پیریڈ شروع ہونے والا ہے۔"

کہہ کر روحی اٹھی اور یاسمین کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی۔ یاسر وہیں کھڑا انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کوشش کے باوجود وہ ابھی تک روحی کو کسی بھی لڑکے سے مخاطب ہوتے نہ دیکھ سکا تھا۔ اسی لیے اسے یہ لڑکی کچھ عجیب لگتی تھی۔ فخر وغیرہ نے تو صفی کو اس کا نام لے کر خاصا تنگ بھی کیا تھا۔ مگر نہ صفی نے کبھی روحی سے بات کی نہ روحی اس کی طرف بڑھی۔ صفی تو پھر بھی کلاس فیلو لڑکیوں سے خاصا بے تکلف تھا۔ بلکہ لڑکیاں صفی کا بے حد احترام کرتی تھیں۔ کئی لڑکیاں تو اسے صفی بھائی کہتی تھیں۔ شاید لڑکیوں کو بھائی بنانے کا شوق ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

ماموں کسی کام سے پشاور گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے راحیل بھی کراچی کسی کام کے سلسلے میں چلا گیا۔ گھر کے باہر کے کاموں کے لیے محتاجی ہو گئی۔ روزانہ نانی یہ سبق دہراتی تھیں کہ "ایک بیٹا ناکافی ہوتا ہے۔ کم از کم دو تو ہونے چاہئیں۔" وہ بہو کو ہی سنایا کرتی تھیں تاکہ وہ.....

پھر ایک دن انہوں نے کہا کہ "اپنوں سے تو غیر بہتر ہوتے ہیں۔ بھائی علیم الدین کا پوتا ہے ناں سرور۔ آیا تھا میں نے کہا بھیا گھر میں سرف ختم ہے۔ اور بچے کے لیے بسکٹ ذرا اسٹور سے لے آؤ۔ میرا بیٹا تو کوئی چیز ختم ہی نہیں ہونے دیتا تھا۔ اب دیکھو وہ پشاور سے کب آتا ہے۔ تو سرور تو بہانہ کر کے ایسا گیا کہ لوٹ کر آیا ہی نہیں۔ حالانکہ چائے کی فرمائش تو آتے ہی کر چکا تھا۔ مگر کام کا سنتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ اور وہ بچہ صفی الدین، سارا سودا لے آیا۔ اور چائے تک نہیں پی۔ کل پھر آنے کا کہہ گیا ہے۔ کہہ رہا تھا اور کوئی سودا منگانا ہو تو۔ دلہن سے کہا ہے لکھ لیں۔ کیا منگانا ہے۔ بہت ہی اچھا بچہ ہے۔"

"صفی الدین کون نانی؟" اسے نام کچھ شناسا تو لگا۔ مگر نانی کی تعریف شروع ہو چکی تھی۔

"اے روحی! بھول گئی۔ ارے تمہاری پنڈی والی پڑوسن کا دیور۔"

"ہائیں۔ وہ۔ وہ یہاں کیا کرنے آئے تھے؟"

"اے لو۔ پتھر پڑیں میری عقل پر۔ شاپر میں کچھ لایا تھا کہ بھابی نے دیا ہے۔ دلہن سے پوچھ۔"

شہلا نے دوپٹہ بھیجا تھا۔ پرچہ ساتھ تھا۔ لکھا تھا۔

"اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ کڑھائی کے اونچے نیچے ٹانکوں کی پروا نہ کرو۔ میری محبت کو سلام کرو۔ میں نے ان ٹانکوں میں اپنا خلوص۔ اپنی چاہت موتیوں کی طرح پرو دی ہے۔ خود آتی۔ مگر طبیعت کچھ سست ہے۔ یہ دوپٹہ اوڑھ کر مجھ سے ملنے آنا۔ یہی شکریہ ہوگا تمہاری طرف سے سمجھیں۔"

فقط شہلا۔

"نانی! آج تو ان سے کام لے لیا ہے۔ اب وہ کل خاص آپ کے کام کے لیے آئیں گے۔ نانی پلیز،

ماموں کے آنے تک ان کو کہیں سودے کے لیے رکھ لیں۔ آخر بوا تندی سے کیوں نہیں منگا لیتیں سودا۔ صفی صاحب کو زحمت نہ دیں۔ اچھا نہیں لگتا۔"

نانی نے نواسی کو گھورا۔ "وہ میرا کام کر کے ثواب ہی کمائے گا۔ نیک فطرت بچہ ہے۔ تندی کنجوڑی کے پیر اس قابل کہاں کہ بازار کے چکر لگائے۔"

صفی دوسرے دن بھی آیا۔ تیسرے دن بھی۔ اور اتفاق سے کام بھی نکلتے چلے گئے۔ بجلی گیس کے بل۔ فون خراب تھا۔ لائن مین کو بلا لایا۔ باتھ روم کے نلکے ٹپک رہے تھے پلمبر کو بلانے کے بجائے خود ہی واشر لگا کر درستی کر لی۔

نانی جھوم جھوم گئیں۔

"آہا۔ کیسا ہنرمند بچہ ہے۔ اپنے گھر میں خود ہی نل اور بجلی وغیرہ درست کر لیتا ہے۔ ایسے کیسی بچت ہوتی ہے۔ اللہ اس کی ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے۔ وہ بھی نیک بخت ہے۔ تربیت بھی اچھی کی ہے بچوں کی۔ تبھی تو ایسی باغ وبہار بہو ملی ہے۔ محبت کرنے والی۔"

"کیوں نانی! جو تربیت اچھی کرتی ہیں ان ہی کو اچھی بہو ملتی ہے بابا... پھر آپ کو کیسے اتنی اچھی بہو مل گئی؟"

روحی شوخی سے بولی۔ مامی نے گھٹنوں میں سر دے کر ہنسی چھپالی۔ نانی کو غصہ آگیا۔ مگر انہوں نے ضبط کر لیا۔

"اس کی ماں بھی میرے ساتھ ایسے ہی مذاق کرتی تھی۔"

لاپروائی ظاہر کرنے کو کسی کام میں لگ گئیں۔ وہ بہو کے سامنے روحی کو ڈانٹنے سے گریز کرتی تھیں۔ مگر بعد میں اس کی خوب خبر لی۔

☆ ☆ ☆

صفی یونیورسٹی میں بھی بہت نیک نام تھا۔ تعلیمی پوزیشن بھی اعلا تھی اور مباحثوں میں بھی حصہ لیتا تھا۔ اس نے کبھی کسی گروپ کا کوئی سہارا نہیں لیا۔

یاسمین نے اسے صفی کے کئی قصے سنائے۔ اس کی شرافت اور کامیابیاں۔ سادگی اور وقار۔ اس کے ساتھ کبھی کوئی لڑکی نظر نہیں آئی کبھی اس کا اسکینڈل نہیں بنا۔

روحی سنتی رہی۔

"تو کیا ہوا۔ ظاہر ہے ہر شخص کی الگ ہی فطرت ہوتی ہے مگر کوئی انسان فرشتہ نہیں ہوتا۔"

"تمہارا مطلب ہے' وہ بنتا ہے۔ جیسا نظر آتا ہے ویسا ہے نہیں۔۔؟"

روحی نے کندھے اچکائے۔ "کیا کہہ سکتے ہیں؟" وہ بے نیازی سے بولی۔ دل کچھ اور کہہ رہا تھا۔

"یار! تم کسی سے بھی متاثر نہیں ہوتیں؟ کیسی لڑکی ہو تم نہ کسی لڑکے کی ذہانت سے نہ قابلیت سے نہ جاذبیت سے؟ غیر فطری صورت حال نہیں ہے؟ تم خود جو نظر آتی ہو۔ ویسی نہیں ہو۔"

یاسمین ناراض تھی۔ "میرے دل میں تو بڑی قدر اور عزت ہے صفی کی۔"

"متاثر ہونے سے کیا مراد ہے؟ میں نقارہ بجا کر اعلان کروں؟ وہ تنک کر بولی۔

"بھئی۔ آخر دوستوں میں رازداری بھی ہوتی ہے۔ مجھے تو تمہارے دل کی تھاہ ہی نہیں ملی آج تک؟"

روحی نے فائل سائڈ میں رکھ دی۔

"تم ایک بار میری نانی سے مل لو۔ پھر تمہیں اندازہ ہوگا کہ میں کیوں کسی سے متاثر نہیں ہوتی۔ اگر کوئی غلطی سے میرے دل میں آ گیا تو وہ اسے مچھلی پکڑنے والے آنکڑے سے کھینچ نکالیں گی۔ کہ "ارے مردود تو یہاں کیا کر رہا ہے۔" ویسے اصل حقیقت تو یہ ہے۔ یاسمین کہ میں مقصد کو اہم سمجھتی ہوں۔ میں اپنے والدین' نانی اور ماموں کی توقعات پر پورا اترنے کے لیے صرف ایک محبوب کو برداشت کر سکتی ہوں۔ اور وہ ہے میری تعلیمی کامیابی۔ اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے جب میں ہر طرف سے نظر اور توجہ ہٹا کر بے فکری سے مقصد کو پالوں۔ یعنی اپنے محبوب کو حاصل کر لوں۔"

"یہاں سب اسی مقصد کے لیے آتے ہیں۔ دنیا

دلچسپیاں اور رنگینیاں ہیں۔ ان سے لطف اندوز ہونے کا سب کو حق ہے۔ کوئی پابندی تو نہیں ہے۔ اس طرح تو تم سب سے کٹ کر رہ جاؤ گی۔"

"میں اپنے گھر میں نہیں ہوں۔ نانی کی ذمے داری ہوں۔ میں ان کو کہیں بھی مایوس نہیں کروں گی۔ یہ میرا عہد ہے۔ میری نانی جب میری امی کی باتیں سناتی ہیں۔ تو میں اسی وقت دل میں عہد کرتی ہوں کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گی جس سے نانی کو تکلیف پہنچے اور امی کو سننا پڑے کہ تمہاری بیٹی نے یہ غلط کام کیا۔ نافرمانی کی۔ اگر میں امی کے پاس رہ کر ہی پڑھتی تو یونیورسٹی کی ہر دلچسپی میں حصہ لیتی امی کو منا لیتی۔ کیونکہ ماں بیٹی کے خیالات کہیں نہ کہیں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور یہ جو نانی اور میرے درمیان گیپ ہے۔ اسے پر کرنا فی الحال میرے لیے مشکل ہے۔ اس لیے میں نانی کے ذہن کے قریب رہ کر وہی کرنا چاہتی ہوں۔ جس کی وہ مجھ سے توقع کرتی ہیں۔"

"اسی لیے خود اپنی نانی بن گئی ہو۔"

"ایسا نہیں ہے۔ لیکن کچھ اثر میں نے نانی سے لیا ضرور ہے۔ جو کام مجھے غلط لگتا ہے وہ میں ان کی ہدایت کے بغیر بھی نہیں کرتی۔ غلط کو غلط ہی کہتی ہوں۔ دراصل میں دل کے اشاروں پر فوری عمل نہیں کر سکتی۔ دماغ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اور دل و دماغ دونوں کے استعمال سے صحیح فیصلہ یا درست رزلٹ بھی مل جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب کہ تم خود ہی سخت ہو۔ نانی بے چاری خواہ مخواہ ہی بدنام ہو رہی ہیں۔" جشن بہاراں کے سلسلے میں پروگرام طے کیے جا رہے تھے یاسر گروپ بے حد پرجوش اور متحرک نظر آیا۔ ہر طرف ہلچل مچی تھی۔ ہر ڈیپارٹمنٹ منفرد قسم کی تجاویز مرتب کرنے میں پیش پیش تھا۔ انتظامی امور کے لیے پارٹی تشکیل دی جا رہی تھی۔

کامران کی بارہ دری میں پتنگ بازی۔ بیت بازی اور شطرنج، راوی میں بوٹنگ، راوی کنارے کرکٹ، کثرت رائے سے سارے پروگرام منظور کرا لیے گئے تھے۔

روحی سے سوال کیا گیا کہ وہ کسی گیم میں شریک ہونا پسند کرے گی یا صرف تماشائی بننا چاہے گی؟

"روحی سے پوچھو کہ وہ اس پروگرام میں شریک بھی ہو گی کہ نہیں۔"

یاسمین نے نوما سے کہا جو نئی نئی یاسر گروپ میں شامل ہوئی تھی۔ اور بے حد پرجوش تھی۔

"کیوں بھئی۔ کیا یہ ہم سے کچھ الگ ہیں۔ آخر کوئی وجہ؟"

"نانی صاحبہ۔" یاسمین اطمینان سے بولی۔

"نانی صاحبہ... ان کا کیا ذکر۔" حیرانی تو ہونا تھی۔

"اجازت نہیں دیں گی۔"

"انہیں بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"نانی کی اجازت کے بغیر تو یہ پانی کا گھونٹ بھی حلق سے نہیں اتارتیں۔"

"بعد میں ہم معذرت کر لیں گے۔" یاسر نے بھی دخل دیا۔

"بعد میں...؟ سوری۔ میں دغا بازی کے خلاف ہوں۔ اور مجھے اس قسم کے ہنگاموں سے دلچسپی بھی نہیں ہے۔ طلبا کو فضول قسم کی مصروفیت سے دور ہی رہنا چاہیے۔"

"ہاں۔ طلباء ہر خوشی اور تفریح خود پر حرام کر لیں۔ انسان نہیں ہیں وہ۔" نوما خفا ہو گئی۔

"انسان تو ہیں۔ مگر ان کی پہلی ترجیح ان کی تعلیم ہونا چاہیے۔ میں تو تجویز پیش کرنے والی تھی کہ یہاں جو گروپ سسٹم رائج ہے' اسے یا تو طلبا کی بہبود کے لیے کام کرنا چاہیے۔ ورنہ پھر اس بدنام سسٹم کو توڑ کر طلبا کو آزاد کر دینا چاہیے۔ تاکہ وہ دباؤ سے نکل کر اپنا مقصد حاصل کریں۔ فضول قسم کی دلچسپیوں کو خیرباد کہہ کر صرف کامیابی کے لیے مستعد ہو کر پڑھائی کریں۔ اور ہمیں تو چاہیے کہ جو طلبا بے توجہی برت رہے ہیں۔ ان کو ہر پیریڈ اٹینڈ کرنے کا پابند بنا دیں۔"

"ہمیں یہ چاہیے۔ ہمیں وہ چاہیے۔ ہمیں سے آپ کی مراد غالباً" آپ خود ہیں۔"

"نہیں۔ سب سب کا فرض ہے۔ کہ طلبا کی

بہتری کے لیے۔"

"ہیے ہیے ہیے" سب مضحکہ اڑانے کے انداز میں تالیاں بجانے لگے۔

"بھئی' یہ تو مصلح قوم بننے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔"

"میں صرف یہ چاہتی ہوں۔ کہ ہم اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرنے کے بجائے اپنے والدین کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کریں۔ دن رات پڑھ کر محنت کر کے۔ لیکن یہاں تو کھیل کود' گانا بجانا' سیر و تفریح کو اہمیت دی جاتی ہے۔ پڑھنے کے لیے وقت کم سے کم ہو جاتا ہے۔ آخر توازن کیسے قائم ہو گا۔ اور توازن کے بغیر تو کوئی عمارت مضبوط نہیں ہوتی۔ اور یاد رکھیے مستقبل میں ترقی کا انحصار صرف توازن کی بنیاد پر ہو گا۔"

"آپ نے بھی کیا صفی کی پارٹی جوائن کر لی ہے مس روحی! وہ بھی ایسی تقریریں کرتا ہے۔"

کامران کی بارہ دری میں پکنک پارٹی' سب بے حد پرجوش تھے۔ کوئی بھی روحی کی بات سننے پر تیار نہ تھا۔ گو کہ بعض لوگ روحی کے حامی بھی تھے لیکن وقت کے دھارے میں اپنا حصہ ڈالنے اور شوق میں بہہ جانے پر کسی کو انکار نہ تھا۔

"آخر اعتراض کی وجہ۔ ایک دن کی تفریح میں کتنا نقصان ہو سکتا ہے۔ چلو نا۔ سب کے ساتھ اچھا لگے گا۔ گیم میں حصہ نہ لینا۔" یاسمین نے پرزور لہجے میں سمجھایا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے ایسے مشغلوں کی عادت نہیں۔ مجھے اجازت نہیں۔ اور ضرورت بھی نہیں۔ فرصت بھی نہیں۔ بھلا پتنگ بازی سے طلبا کو کیا فائدہ' کرکٹ کھیل کر کیا حاصل ہو گا۔ وقت کے ضیاع کے سوا اور کیا ہے۔ ہاں کامران کی بارہ دری اگر تحقیقاتی' معلوماتی نوعیت کا دورہ ہوتا۔ تاریخی صفحات کھنگالنے کی جستجو ہوتی تو مجھے خوشی ہوتی۔"

"بھئی۔ بقراط کی روح سما گئی ہے روحی میں تو۔ چلو' اچھا تو نہیں لگے گا۔ مگر کیا کریں۔ چلتے ہیں سب۔"

"ہم اجازت ضرور لیں گے۔" یاسر نے کہا۔ "باقی ضرورت' فرصت اور عادت کا نوٹس بعد میں لیں گے۔"

یاسر کا آرڈر اور تعمیل نہ ہو' یہ بھلا کیسے ممکن تھا۔ سب جلوس کی شکل میں روحی کے گھر جا پہنچے۔ تفریح سنتے ہی نانی نے وہ لتے لیے کہ سب بغلیں جھانکنے لگے۔ اور سب کو یقین ہو گیا کہ روحی کے اندر بقراط نہیں اپنی نانی کی روح ہی سما گئی ہے۔

سب سے پہلے انہوں نے اس تفریح کا فائدہ پوچھا تھا۔

پھر کھیلوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔

"ٹیم لڑکے لڑکیوں پر مشتمل ہو گی۔" سن کر انہیں جلال آ گیا۔ لڑکے لڑکیوں کی بے حیائی پر تقریر کر کے اچھی طرح شرمندہ کیا۔

"اگر میری بچی دریا میں ڈوب گئی۔ تو میں اپنی بیٹی کو کیا جواب دوں گی۔ لو پکنک پر جا کر تو سارے لڑکے لڑکیاں مدہوش ہو جاتے ہیں۔ کسی کی کسی کو خبر نہیں رہتی۔"

"آپ کی بچی یعنی روحی مدہوش نہیں ہو گی۔"

"وہ ڈوب تو سکتی ہے۔ نا بابا۔ میں کوئی خطرہ نہیں لے سکتی۔"

"ہم ڈوبنے بھی نہیں دیں گے۔ بحفاظت آپ کی روحی کو آپ کے سپرد کریں گے۔ بس اجازت دے دیں۔"

"ایں! تم کیا خدا ہو۔ تمہیں غیب کا علم ہے کہ اگلے پل کیا ہونے والا ہے۔ اتنے وثوق سے کہہ رہے ہو۔ کسی برے وقت کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔"

"نانی اماں! حادثے تو کہیں بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر انسان کو خود پر اعتماد ہونا چاہیے۔"

یاسر نے نانی کو سمجھانا چاہا وہ اور بھڑک گئیں۔

"ارے تو ہے کون۔ بڑا بولا۔ کیسے بڑھ بڑھ کر بول رہا ہے۔ جیسے میں بچہ ہوں جو اس کی ہر بات کا یقین کر لوں گی۔"

"نانی اماں۔" یاسمین نے انہیں بتایا۔ "یہ سب جو

ہیں۔ روحی نے انہیں بھائی بنایا ہوا ہے۔"

"اچھا۔ یہ برادران یوسف کے قبیل کے لگ رہے ہیں مجھے۔ ان کا کیا اعتبار۔" وہ فوراً چونکیں۔

روحی سب کے لیے شربت لائی۔ تو نانی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"پوری بوتل گھول دی۔ ایک اور خرچا۔ اے روحی تو ان کے ساتھ پڑھتی ہے۔ کہیں ایسی ہی نہ ہو جانا۔ بے فکر اور زبان دراز۔ یہ تو سب کھلنڈرے ہیں، پڑھتے تو کیا خاک ہوں گے۔ بس کھیل کود میں لگے رہتے ہوں گے۔"

"نہیں نہیں نانی۔" روحی نے گھر آئے مہمانوں کی عزت افزائی کے لیے انہیں سمجھایا۔ "سب پڑھتے ہیں۔ بس کبھی کبھار دل بہلانے کے لیے پروگرام بنا لیتے ہیں۔"

پورا جلوس مایوس لوٹا۔ صفی اور روحی کے علاوہ ثمانہ، عذرا، نواز اور یاسمین نے بھی معذرت کر لی۔ ان لوگوں کے بغیر پارٹی ہوئی۔ خوب اودھم بازی اور گانے بلکہ ڈانس بھی ہوا۔ جس میں لڑکوں کا ساتھ لڑکیوں نے بھرپور طریقے پر [illegible]

☼ ☼ ☼

اسی طرح وقت گزرتا رہا۔ اور گزرتے وقت نے ماموں کو ایک بیٹی کا تحفہ بھی دیا۔ بچی ماں کی ہو بہو کاپی تھی۔ سانولی سلونی، نانی نے اسے بھی سینے سے [illegible]

"نانی! بچی تو بالکل کالی ہے۔ اب کیا ہو گا۔" روحی پریشان ہو گئی۔

نانی نے بدمزگی سے روحی کو گھورا۔ "کالی ہے تو تجھ سے رنگ مانگنے نہیں جائے گی۔ میری اپنی ہے۔ جگر کا ٹکڑا۔"

نانی نے کیسا پلٹا کھایا۔ روحی چکرا گئی۔ وہ نانی کو تو پوتی میں قلوپطرہ کا عکس نظر آ رہا تھا۔ ماموں بیٹی کے عاشق تھے۔ وہ روحی کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔ مامی بھی اس کو چاہتی تھیں۔ اب راحیل آتا تو وہ اٹھ کر جاتی نہیں تھی۔ وہیں بیٹھی راحیل کی "قابلیت" کی باتیں سنتی رہتی۔ جو عموماً اس کے آفس اور آفس کے مسائل کے علاوہ اسٹاف کے مسئلوں پر ہوتیں۔ جنہیں وہ خالی ذہن کے ساتھ سنتی۔

نانی خوش ہو جاتیں کہ اب اس نے تمیز تہذیب سیکھ لی ہے۔ وہ بالکل بھول گئی تھیں کہ ان ہی کے پروپیگنڈے کی وجہ سے وہ راحیل اور مامی سے بیزار ہوئی تھی۔ کالی پوتی کے لاڈ دیکھ کر وہ اب پریشان رہنے لگی کہ کہیں اب پھر سے راحیل کے سر نہ چپکا دیا جائے اسے۔ نانی کے خیالات بدلتے رہتے تھے۔

شہلا اکثر آجاتی تھی۔ کبھی صفی کے ساتھ کبھی ساس کے ساتھ۔ اس کی ساس کے ساتھ بے تکلفی اور دوستی حیران کن تھی۔ وہ ساس سے ہر قسم کی بات کر لیتی تھی۔

روحی، مامی کو اشارے سے دکھاتی۔ مامی بچاری ابھی تک نانی سے ڈرتی تھیں۔

شہلا جب بھی آتی۔ دیور کی تعریفوں کی مالا اس کے گلے میں پہنا جاتی۔

[illegible] سینہ ہو جاتی۔ انہوں نے تو گویا طے کر رکھا تھا کہ روحی ہی اس کی دیورانی بنے گی۔ اور اسی لیے تعریفوں کے ڈونگرے برسا کر جاتی۔

"صفی یوں، صفی یوں، وہ ایسا، وہ ویسا، تمہارے ساتھ جوڑی اچھی ہے گی۔"

اس کی شکل دیکھتے ہی روحی صفی کی گردان سننے کو مستعد ہو جاتی۔ مگر اب کچھ دن سے شہلا نے آنا کم کر دیا تو نانی کا اصرار کہ ان کے گھر جا کر خیریت معلوم کرنا چاہیے۔ روحی نے مامی کو آمادہ کر لیا۔ وہ خود ان کے گھر جانے سے احتراز ہی کرتی تھی۔ پھر شہلا کی ذو معنی گفتگو اسے شرمندہ کر دیتی۔

☼ ☼ ☼

خدا خدا کر کے یاسر یونیورسٹی سے فارغ ہو گیا۔ بلکہ سنا کہ وہ اسٹیٹ چلا گیا۔ صفی نے یونیورسٹی میں ٹاپ

گیا۔ مگر فخر ابھی موجود تھا۔ بلکہ ادریس اور اکبر بھی۔ اب وہ اپنی سینیارٹی کو بڑے سلیقے سے نبھا رہے تھے۔

فخر نے روحی سے ربط ضبط بڑھانے کی کوشش کی جسے وہ خوبصورتی سے ٹال گئی۔ اس کی واحد سہیلی یاسمین تعلیم ادھوری چھوڑ کر سسرال سدھار گئی۔ اس کی شادی میں روحی معہ نانی، مامی اور ماموں شریک ہوئی۔

یاسمین شادی کے بعد دوبئی جانے والی تھی۔ اور لوگ اس کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔ پتا نہیں لوگوں کو دوسرے ملکوں میں اس قدر کشش کیوں محسوس ہوتی ہے۔ کسی کو بھی اپنے ملک کی خوبیاں نظر نہیں آتیں۔ "یہاں کیا رکھا ہے۔" کہہ کر باہر کی خوبیاں بیان کرنے لگتے ہیں۔ اپنے ملک اور معاشرے کی خرابیاں دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا۔ خود اپنے کو سدھار لیں۔ تو کافی بہتری ہو سکتی ہے۔ لیکن اپنے عیب۔ اپنے دامن کے داغ کسی کو نظر نہیں آتے۔

اس دن وہ گھر پہنچی، تو ایک سرپرائز موجود تھا۔ صبوحی۔

"امی۔" وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

صبوحی کے چہرے پر ممتا کا نور دمکنے لگا۔ انہوں نے اسے لپٹا کر پیار کیا۔ ماتھا چوما۔ گردن پر ہونٹ رکھ دیے۔ پھر ذرا ہٹ کر کہا۔

"ارے روحی! نہاتی نہیں، ہو کیا؟ پسینے کی بو۔" ماں کی نفاست، صفائی اور پاکیزگی۔ وہ اچھی طرح واقف تھی۔

"امی....! ابھی آئی ہوں۔ بس میں اتنا رش تھا۔ نہاؤں گی پھر کھانا کھاؤں گی۔" اس کے بازو ابھی تک ماں کے گلے میں تھے۔ صبوحی نے بھی اس سے الگ ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"صبوحی!" نانی نے آہستہ سے کہا۔ "کبھی تو نے اپنی ماں سے تو اس طرح لپٹ کر محبت ظاہر نہیں کی۔ کیا تجھے مجھ سے محبت نہیں ہے؟ یا بیٹی سے زیادہ ہی ہے۔"

صبوحی کے چہرے پر لالی بکھر گئی۔ انہوں نے روحی کے بازو گردن سے ہٹائے۔ روحی نے کہا۔

"تو نانی! آپ نے ہی بیٹی کو لپٹا لیا ہوتا۔ کیا آپ کو اپنی بیٹی سے محبت نہیں ہے؟"

"مجھے کیا پڑی تھی کہ...." نانی کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ پلک جھپک کر ایک قطرہ چھلکایا۔ نہ جانے کس دکھ کا گھونٹ بھرا۔ "کہ زبردستی گلے پڑتی۔"

بات ختم کی تو صبوحی نے روحی کو پرے دھکیلا۔ اور ماں سے لپٹ گئیں۔

"اماں! پیاری اماں! آپ سے زیادہ تو کوئی نہیں ہے۔"

صبوحی کی آواز بھرا گئی۔ آنکھیں بھر آئیں۔ روحی بڑی حیرانی سے ان دونوں کو آنسو بہاتے دیکھ رہی تھی۔

"ارے بغیر کسی وجہ کے۔"

"نا۔ بیٹی۔ نا۔" نانی نے جھک کر اپنی گردن سے لپٹے صبوحی کے بازو چوم لیے۔

"رونا نہیں۔ خوش رہو۔ اولاد کی خوشیاں دیکھو۔ میں تو بس ایسے ہی جذباتی ہو گئی۔ برسوں کے بعد ایسا سین دیکھا تھا ناں۔ چل اٹھ روحی! نہا کر آ۔ پھر کھانا کھائیں گے۔"

روحی نہا کر آئی تو نانی کی آواز میں کسی چنچل بلبل جیسی چہکار تھی۔ خوشی، سکھ اور اطمینان ان کے لہجے سے عیاں تھا۔ وہ اتنا عرصہ ساتھ رہ کر نانی کو نہ پہچان سکی تھی۔ تو وہ کبھی الجھی ہوئی ڈور کی طرح لگتی تھیں۔ سلجھانا چاہو تو انگلیاں زخمی ہو جائیں۔ اور کبھی نرم ملائم ریشم کے لچھوں کی طرح کہ ہتھیلی رکھو تو پھسل پھسل جائے۔

"اماں نے بہت سخت وقت بہت سکون سے گزارا ہے۔"

رات کو ماموں نے لاؤنج میں محفل جمائی۔ نانی نماز کے بعد سونے چلی گئیں۔ بہن بھائی باتیں کر رہے تھے تو روحی اور مامی بھی آ کر بیٹھ گئیں۔ ماموں تفصیل سے اپنے بچپن کے واقعات سنا رہے تھے۔

"اماں کی بلند ہمتی بلند حوصلگی نے ہمیں بھی

مضبوط قوت ارادی کا مالک بنا دیا۔ وہ عام ماؤں کی طرح نہیں۔ ان میں ایک وقار تھا اور گریز تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی انہوں نے مجھے لپٹا کر پیار کیا ہو۔ کبھی میں شکوہ کرتا۔ جب اپنی چچی کو اپنے بچوں سے لاڈ کرتے دیکھتا۔ مجھے عجیب سی محرومی۔ زندگی میں کسی کمی کا احساس ہوتا۔ میں اماں کو چچی کی طرف اشارہ کر کے دکھاتا۔ تو اماں خفگی سے کہتیں۔

"مجھے دکھاوے پسند نہیں۔ اور فرصت کہاں ہے مجھے۔ جن کو کوئی کام نہیں ہوتا' وہ ایسی ہی حرکتیں کرتے ہیں۔"

اماں بچوں سے لاڈ کو "حرکتیں" کہہ کر ٹال جاتیں۔ انہوں نے کبھی کسی کے سامنے ہماری تعریف نہیں کی۔ بائی داوے کو میں دیکھتا تھا کیسے اپنے بچوں کی بڑھ بڑھ کر تعریفیں کرتی ہیں۔ انہوں نے بظاہر ہم سے بے نیازی کا رویہ رکھا تھا۔"

ماموں تسلسل سے نانی کے بارے میں بتا رہے تھے۔ ان کی جدوجہد "اپنی ذات کی پروا کیے بغیر محنت مشقت کو شعار بنایا اور بچوں کی تعلیم تربیت اور مستقبل کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ سسرال والوں کے طعنے' کسی کو جواب نہ دیا۔ بلکہ سب سے اچھے تعلقات رکھے۔ پیسہ پیسہ جمع کر کے جائیداد بنائی۔"

"کون سی جائیداد ماموں؟ وہ چند دکانیں؟ جن کا کرایہ وہ خود وصول کرتی ہیں۔"

"ہاں۔ ان ہی دکانوں کے کرائے سے ہماری تعلیم مکمل ہوئی۔ اور اس زمانے میں ان دکانوں کا حصول سونے کی کان کے حصول سے کم نہ تھا۔ جس طرح اماں نے کم آمدنی میں پورے کنبے کے اخراجات کے ساتھ پیسہ بچایا۔ اس کی مثالیں شاید اور بھی ہوں گی۔ مگر ہمیں تو اماں ہر وقت' ہر لمحہ مصروف نظر آتیں اور اسی آمدنی میں انہوں نے نندوں کی شادیاں بھی کیں۔ دیوروں کو پڑھایا۔ پھر ہمیں اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ کمیٹی بلکہ کمیٹیاں ڈال ڈال کر اتنا پیسہ حاصل کر لیا کہ میں انگلینڈ چلا گیا۔ دراصل چونکہ ہم دو ہی بہن بھائی تھے۔ اس لیے ہمیں اور لوگوں کی طرح اقتصادی مسائل سے سابقہ نہیں پڑا۔ ہمارے تایا چچا پھوپھیاں سب الگ رہنے لگے۔ سب کی زیادہ اولاد تھی۔ زیادہ مسائل۔ ابا نے بھی گھر کے معاملات سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ اماں سیاہ کریں یا سفید۔ ابا کو غرض نہ تھی۔ اماں ضرورت مندوں کی مدد بھی کرتی تھیں۔ پورے خاندان میں ہمارے حالات سب سے بہتر تھے۔ اور اس کا کریڈٹ اماں کو جاتا ہے۔"

"ویسے ماموں! نانی آپ سے کس قدر خفا تھیں۔"

"میں نے اپنی پسند سے شادی کر کے ان کے اعتماد کو دھکا لگایا تھا۔ ان کا خفا ہونا جائز تھا۔ دراصل میں خاندان میں شادی کے خلاف تھا۔ اور اماں پر بہت پریشر تھا۔ وہ کس کو ناراض کرتیں۔ اور ظاہر ہے شادی تو ایک ہی سے ہوتی۔ باقی سب ناراض ہو جاتے۔ لیکن اماں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ کہ میں نے اپنی پسند سے شادی کر کے ان کے لیے کتنی آسانی کر دی۔ مجھے ایک روشن دماغ' اعلا تعلیم یافتہ' ذہین لڑکی کی تلاش تھی جونہی وہ ملی۔ میں نے دیر نہیں لگائی۔ مگر انہیں خفا ہونے کا حق تو تھا۔ لیکن میرا بھی استقلال دیکھو۔ آخر کار میں نے انہیں منا ہی لیا۔"

"جی۔۔۔۔ یہ آپ کا نہیں۔ آپ کے صاحبزادے کا کمال ہے۔"

"چلو۔ ایسا ہی سہی۔"

"اس گھر کو ایسی ہی بہو درکار تھی۔" صبوحی نے اعتراف کیا۔ "ضبط برداشت اور ظرف والی۔ اور بھابھی میں یہ ساری خوبیاں ہیں۔"

"خیر۔ شکر ہے۔ میرا آئیڈیل مجھے مل گیا۔"

"بھائی! لڑکیوں کے بھی کچھ آئیڈیل ہوتے ہیں۔ کم از کم عزت کرنے والا اور حقوق دینے والا مرد۔ کچھ روشن خیال لیکن لڑکیوں کی پسند کا کسی کو خیال نہیں ہوتا نہ انہیں اختیار دیا جاتا ہے۔" صبوحی کا لہجہ زخمی تھا۔

روحی نے سر جھکا لیا۔ اس کا آئیڈیل بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ مضبوط قوت ارادی والا۔ عزت کرنے اور حق دینے والا۔ افسوس اس کے باپ میں وہ خوبیاں نہ

تھیں۔ لیکن صبوحی نے بھی ماں باپ کی عزت اور تربیت کا حق ادا کر دیا۔ کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔
ماموں افسردگی سے صبوحی کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

"فکر نہ کرو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم دونوں مل کر اپنی روحی کے لیے اس کا آئیڈیل تلاش کریں گے۔"

"ماموں۔" وہ احتجاجاً چلائی۔ "میں نے کب کہا ہے کب..."

"نہیں کہا تو کیا ہم سمجھتے تو ہیں۔ تمہاری پسند کو اولیت دی جائے گی۔"

"ماموں۔" وہ خفگی سے بولی۔ پھر اٹھ کر چلی گئی۔

صبوحی چند دن کے لیے آئی تھیں۔ روحی انہیں شہلا سے ملانے لے گئی۔ صبوحی کو شہلا کی ساس بہت پسند آئیں۔ صفی بھی آگیا۔ شہلا نے بطور خاص صفی کو صبوحی سے ملوایا۔

"لگتا ہی نہیں کہ صفی اور روحی ایک جگہ پڑھتے ہیں۔ دونوں نے ایک دوسرے سے بات ہی نہیں کی۔" مامی نے گھر آکر صبوحی سے کہا۔ "جیسے جان پہچان ہی نہ ہو۔"

صبوحی نے بھی تائید کی۔ نانی کو موقعہ مل گیا۔

"تیری بیٹی ہے ہی اکل کھری۔" انہوں نے خفگی سے کہا۔ "ماں پر پڑی ہے۔"

"اماں!" صبوحی رنجیدہ ہو گئیں۔ "میں اکل کھری تو نہ تھی۔ آپ نے پابندیاں ہی ایسی لگائی ہوئی تھیں۔ رشتے داروں سے بھی کب ملنے دیتی تھیں آپ۔"

"ہاں بھئی۔ اب ماں پر الزام لگا دو۔ اور کیا امید رکھوں تم سے۔" نانی خفا ہو گئیں۔

روحی نے انہیں منایا۔ "نانی! میں ان سے بات کرتی تو آپ ہی کہتیں کہ دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہے۔ وہ تو مرد تھے۔ اگر مجھ سے بات کرتے۔ جواب تو دے ہی دیتی میں۔"

"ائے ہئے۔ بڑا ہی شرمیلا بچہ ہے۔ فالتو بات تو وہ مجھ سے بھی نہیں کرتا۔"

روحی منہ بنانے لگی۔ مامی ہنس پڑیں۔ روحی نے کہنے سے گریز کیا کہ "پھر آپ کہتیں کہ بے شرم ماں پر پڑی ہے۔ حالانکہ میری ماں تو آج بھی شرم سے عاری نہیں۔ جوان بچوں کی ماں ہو کر بھی ان کے چہرے پر معصومیت ہے۔ ذرا سی بات پر چہرے پر خون جمع ہو جاتا ہے۔"

صفی کا تو انداز یونیورسٹی میں بھی یہی تھا۔ روحی سے تو اس نے کبھی بات نہیں کی۔ نہ اس کے آس پاس آتا۔ سوائے اس وقت کے۔ جب یاسر گروپ روحی کے نزدیک ہوتا۔ صفی دور کھڑا نظر آتا۔ اور ایک وہ ہے۔ یوں لپکتا آتا ہے جیسے نہ جانے کون سی ضروری بات کرنا ہے۔ اوپر سے اس کی چھچھوری ادائیں بالوں پر اسٹائل سے ہاتھ پھیرنا۔ گردن اکڑا کر ترچھی نظروں کے تیر چلانا۔ کبھی تو اسے ہنسی آجاتی۔ کبھی غصہ آتا۔ اور وہ سوچ کر رہ جاتی کہ آج کل یونیورسٹی تک پہنچ جانے والے طلبا بھی جاہل ہو سکتے ہیں؟

☼ ☼ ☼

اس روز وہ گھر دیر سے پہنچی تھی۔ ڈرائنگ روم سے نانی کی آواز آرہی تھی۔ شہلا بولی تو وہ اندر جانے والی تھی کہ نانی کی آواز نے قدم روک دیے۔

"وہ اپنی ماں کو لے کر آیا تھا۔ بڑی سیدھی سی بھلی مانس لگیں مجھے تو۔"

"اچھا۔ کیا کہہ رہی تھیں؟" شہلا کی آواز میں تشویش تھی۔

"کہنا کیا تھا۔ اپنے بیٹے کا رشتہ دے گئی ہیں روحی کے لیے۔"

"ارے، اچھا پھر آپ نے کیا جواب دیا؟" شہلا زیادہ ہی پریشان تھی۔

"بس جو کہنا تھا کہہ دیا۔" نانی نے ٹالنے کی کوشش کی۔

"پھر بھی کچھ جواب تو دیا ہوگا آپ نے۔"

"تم بتاؤ۔ تمہارے محلے کا ہے۔ کیسی شہرت ہے۔ کرتا کیا ہے۔ آمدنی کیا ہے۔"

تمہیں اتنا تو نہیں جانتی۔ ابھی پڑھ رہا ہے۔ میرے دیور کا دوست ہے۔"

"تمہارا دیور تو فارغ ہو کر کام سے لگ گیا ہے۔"

"...سنا ہے۔ مٹھائی بھیجی تھی میں نے۔ وہ خود دے کر گیا تھی۔"

"...تھا آپ کو۔ ہاں ہاں یاد آیا تم کہہ رہی تھیں، کسی کام سے ملی تھیں۔ کیا کام تھا۔ روحی سے ہو گا۔"

"نہیں۔ وہ میں پھر آوں گی۔ اماں کو لے کر۔" وہ چلنے کے لیے تیار تھی۔

"نانی اماں! آپ میرے دیور کے بارے میں بھی سوچیں۔ خیر پھر آوں گی۔" اس نے چلتے چلتے کہا۔

"اچھا۔ میں جنید سے ذکر کردوں گی۔" نانی کے لہجے میں بے نیازی سی تھی۔

روحی اندر آگئی۔ وہ اس وقت شہلا کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔

صبح ناشتے کے وقت نانی اس کے پاس والی کرسی پر آکر بیٹھ گئیں۔ "روحی۔ ایک بات کہوں؟"

اس کا ماتھا ٹھنکا۔ چلو نانی اب براہ راست اس کا مشورہ مانگیں گی۔ وہ چوکنا ہوگئی۔

"اے بیٹی۔ وہ جو لڑکا ہے جو تمہارے ساتھ پڑھتا ہے۔ کیسا ہے؟"

"میرے ساتھ تو کئی لڑکے پڑھتے ہیں۔ آپ کس کا پوچھ رہی ہیں؟"

"ارے توبہ۔ وہ جو صفی کے ساتھ پڑھتا تھا اسی کے محلے کا۔ اس کی ماں فخر نام بتا رہی تھی۔"

"فخرالزماں صاحب۔ کیوں ان کا کیا ذکر ہے؟"

"بتاؤ تو سہی۔ مزاج، عادت، شہرت کیسی ہے۔"

"پڑھائی میں زیرو۔ کردار کے زیرو۔ دیکھنے میں ہیرو۔ یہ ہے ان کا مختصر تعارف۔"

"اونہوں۔ تجھے بھلا کوئی پسند آئے گا۔ میں جنید سے کہوں گی۔ پتا کرے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ماموں کو تنگ کرنے کی۔"

"اچھا یہ بتا کہ شہلا کا دیور کیسا ہے؟"

"نانی! یہ کیا چکر ہے۔ لڑکوں کے بارے میں تفتیش ہو رہی ہے۔ کیا میرا رشتہ آیا ہے؟"

نانی نے اسے گھور کر دیکھا۔

"نانی! میں کہہ رہی ہوں، میری شادی کی فکر نہ کریں۔ جب تک میں پڑھائی سے فارغ نہیں ہو جاتی۔ کوئی ذکر نہیں ہو گا۔ بس کہہ دیا ہے میں نے۔"

"او لی۔ مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تیرا باپ کون سی جاگیر بخش رہا ہے۔ فکر کریں نہ کریں تیرے ماں باپ کریں۔ لو اور سنو۔" خفا ہو گئیں۔

"باپ تو جاگیر کیا دیں گے۔ البتہ ماں ضرور کوئی ایوارڈ آپ کو دے دیں گی۔"

"اری جا۔ میں بھوکی نہیں ہوں کسی ایوارڈ کی۔ چلی ہے مجھے ایوارڈ دلوانے۔"

نانی پرجلال لہجے میں کہہ کر اٹھ گئیں۔ لو ہو گئیں خفا۔ مگر انہیں منانے کا ٹائم نہیں تھا۔ دیر ہونے کا خطرہ تھا۔ اور کاش وہ انہیں منانے کے لیے رک ہی جاتی۔ دیر ہو بھی جاتی تو برا وقت ٹل ہی جاتا۔ بزرگوں کو خفا کرنے کے بجائے ان سے دعائیں لیتے رہنا چاہئیں۔ اور اس نے تو عین چلتے وقت انہیں ناراض کیا تھا۔ ایک ایسی بات کے لیے جس کا عمل میں آنا فوری ممکن نہ تھا۔

اسے کچھ میگزین درکار تھے۔ بک اسٹال سے میگزین لینے میں کچھ وقت زیادہ لگ گیا۔ اور اس دن صبح تو بادل ذرا نہ تھے لیکن جتنی دیر وہ دکان میں ٹھہری۔ بادل نہ جانے کس جانب سے آکر آسمان پر چھا گئے۔ وہ باہر آئی تو موسم یک لخت ہی بدل چکا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ بہت خوشگوار موسم لیکن اس بک شاپ کے قریب کوئی سواری ملنے کا امکان کم ہی تھا۔

مین روڈ تک جانے میں بھیگ جانے کا خدشہ تھا۔ وہ ایک شیڈ کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ وہ پہلے بھی یہاں آچکی تھی۔ اسے اس بک شاپ کے بارے میں سمانہ نے بتایا تھا۔ وہ اسے اپنی گاڑی میں لے کر آئی تھی۔ اس کا

خیال تھا کہ جو کتاب پورے شہر میں نہ ملتی ہو۔ یہاں مل جاتی ہے۔ خواہ کتنی ہی پرانی یا نئی ہو۔ آئی تو وہ رکشہ سے تھی مگر اب کوئی سواری دور دور نظر نہیں آ رہی تھی۔ بارش کے خدشے کے پیش نظر لوگ بھی گھروں کو جا چکے تھے۔ ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ ایک کار اس کے قریب آ کر رکی۔ وہ کچھ گھبرا گئی۔ اور دو قدم پیچھے ہٹی۔ کار کے اندر سے قہقہہ بلند ہوا۔ پھر دروازہ کھلا اور یاسر اندر سے برآمد ہوا۔

یاسر نذیر۔ وہ یاسر جو کئی سال تک یونیورسٹی میں دندناتا رہا تھا۔ روحی کو تو اس کی شکل بھی یاد نہ رہی تھی۔ مگر پھر یاد آ ہی گیا۔

"ہیلو۔ کیسی ہیں آپ؟ سنا ہے خوب کامیابیاں سمیٹ رہی ہیں۔"

اس نے گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

"بارش شروع ہو گئی ہے۔ یہاں تو کوئی سواری بھی نہیں ملے گی۔ آئیے میں آپ کو جہاں آپ کہیں گی، ڈراپ کر دوں گا۔" بڑے خلوص کا اظہار کر رہا تھا۔

روحی نے انکار میں گردن ہلا کر کہا۔ "نہیں۔ آپ کو زحمت ہو گی۔ میں انتظار کر لیتی ہوں۔"

"اچھا چلیں۔ گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ بھیگتے رہنے سے بہتر ہے۔ کچھ باتیں کرتے ہیں پرانے دوستوں کی۔ میں تو باہر چلا گیا تھا۔ بیٹھو بیٹھو۔ بارش تیز ہو رہی ہے۔"

روحی نے کچھ سوچا۔ پھر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ بتانے لگا "میں امریکا چلا گیا تھا۔ اعلا تعلیم کے لیے۔ لیکن وہاں تو انجوائے کرنے کے بے شمار راستے تھے۔ بس پھر میں نے خوب سیریں کیں۔ انجوائے کیا۔ تم سناؤ۔"

"میں بھی امتحان کے بعد پنڈی چلی جاؤں گی۔ آخری سال ہے یہ۔"

"بارش تیز ہو گئی ہے۔ دروازہ بند کر لو۔ سیٹ بھیگ کر خراب ہو جائے گی۔"

یاسر نے جتایا۔ اور گو کہ بارش اتنی تیز تو نہ تھی کہ سیٹ خراب ہوتی۔ مگر وہ شرمندہ ہو گئی۔ دروازہ بند کر دیا اور کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ کھٹاک۔ آٹو میٹک دروازے لاک ہو گئے۔ شیشہ بھی نہیں کھل سکتا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی۔ تو وہ پریشان ہو گئی۔ مگر خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کر کے بولی۔

"مجھے بس اسٹاپ پر اتار دیں۔ یا کوئی رکشہ مل گیا تو چلی جاؤں گی۔"

"ہاں ہاں، چلی جانا۔" وہ بے نیازی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ پھر اس نے ایک انگلش گانا لگا دیا اور خود بھی گنگنانے لگا۔ گاڑی اب کسی نئے روڈ پر رواں تھی۔ جس سے روحی ناواقف تھی۔

"یاسر پلیز۔ مجھے یہیں اتار دیں۔ نانی انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ دروازہ کھولنے میں ناکام ہو گئی۔

یاسر ہنس پڑا۔ "نانی۔ ہاں۔ نانی وہ تو انتظار کر رہی ہوں گی۔ مگر کیا حرج ہے۔ انہیں کرنے دو انتظار۔ میں کر لوں گا معذرت۔"

پہلے اس کا لہجہ تلخ تھا۔ بعد میں کچھ نرمی سے معذرت کے الفاظ کہے۔ روحی کے جسم میں سنسنی پھیل گئی تھی۔

"دیکھیے۔ پھر کسی دن سہی۔ یاسر! نانی واقعی بہت پریشان ہو جائیں گی۔"

وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ گو کہ اسے لگ رہا تھا کہ جسم کی طاقت کم ہوتی جا رہی ہے۔ یاسر کی نیت درست نہیں تھی۔ وہ بالکل مطمئن اور بے نیاز نظر آ رہا تھا۔

"معلوم ہے۔ وہ پریشان ہوں گی۔" وہ رکھائی سے بولا۔ "جب میں تمہارے گھر گیا تھا۔ بڑے یقین کے ساتھ تمہارے لیے اجازت لینے۔ انہوں نے میری خاصی بے عزتی کی تھی۔ آج دن میرا ہے۔ تھوڑا سا پریشان کرنا تو میرا حق ہے۔ اور آج تم میرے اختیار میں ہو۔"

روحی کے اندر سناٹا پھیل گیا۔ یقیناً یاسر کی نیت خراب تھی۔

"یاسر بھائی پلیز۔ مذاق چھوڑیں۔ کل یونیورسٹی آ جائیے گا۔ کئی دوست مل جائیں گے۔"

وہ خود پر یاسر کی برتری کے تاثر کو مٹانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ خوف کا تسلط اس کی رگوں میں بڑھتا جا رہا تھا۔ دل تھا کہ پُر شور آواز میں احتجاج کر رہا تھا۔

"بھائی تائی کا چکر ختم۔" وہ اسٹیرنگ پر ہاتھ مار کر بولا۔ "جب ہم ساتھ پڑھتے تھے۔ تم کو شوق ہوا تھا۔ میں نے بھی کوشش کی۔ کہ اسے نبھاؤں۔ اب وہ رشتہ ختم اور اب ہم مرد عورت کے سوا کچھ نہیں۔ دیکھو، موسم بھی کیسا حسین اور رنگین ہو گیا ہے میرے ارمانوں کی طرح۔ عرصے بعد تم ملی ہو۔ اور میری خواہش پوری ہونے کا موقع...... اللہ نے دیا ہے۔ انسان بھی کتنا بے صبرا، ناشکرا اور ہوس کا پتلا ہوتا ہے۔"

وہ خدا جانے کیا کیا بولتا رہا۔ روحی کا دل کانپ کانپ کر اب بند ہونے کے قریب تھا۔ آیت الکرسی اور جتنی آیات اسے یاد آئیں پڑھتی رہی۔ اللہ اللہ۔ اپنی عزت و حرمت کے لیے دعا کر رہی تھی۔

"بہت پرسکون بیٹھی ہو۔ تمہیں ڈر نہیں لگ رہا؟ رحم کی التجا کرو۔ منت کرو میری۔"

وہ اب ہنس رہا تھا۔ کامیابی کا نشہ انسان کو انسان نہیں رہنے دیتا۔

"مجھے ایسی بہادر لڑکیاں پسند ہیں۔ ان کا غرور توڑنا۔ انہیں روتے بلکتے دیکھنا میرا شوق نہیں جنون ہے۔ بڑی تسکین ہوتی ہے مجھے۔"

روحی کہنا چاہتی تھی۔ "تم خدا نہیں ہو۔ یہ تکبر خدا کو پسند نہیں۔" زبان کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پا کر اس نے صاف زبان میں کہا۔

"میں اپنے اللہ کے سوا کسی سے رحم نہیں مانگتی۔ اور مجھے اس پر پورا یقین ہے۔"

وہ خود حیران ہو گئی۔ اب اس کا دل بھی ٹھہر گیا تھا اور اعصاب بھی قوت حاصل کر چکے تھے۔

"سب لڑکیاں یہی کہتی ہیں ہا...... ہا...... ہا...... مگر پھر وہی ہوتا ہے جو میں چاہتا ہوں۔"

(ارے تو کیا خدا ہے۔ اگلے پل کی خبر ہے تجھے؟)

تائی کا فقرہ ذہن میں روشنی بن کر پھیلا تھا۔ اور اس کا پورا وجود جگمگا اٹھا۔ یہ یقین تھا اپنے اللہ پر۔ اس کی رحمت پر۔

"امریکہ میں ایک تمہارے جیسی سنگدل لڑکی مجھے ملی۔ اس سے دوستی کر لی۔ پھر جب اسے میری شرافت کا یقین ہو گیا۔ میں اسے اپنے فلیٹ میں لے گیا۔ اسے بھی لڑکوں سے دوستی ناپسند تھی۔ مگر وہ آخر کار خود اپنے اوپر اعتماد اور مجھ پر بھروسہ کر کے پچھتائی۔ بعد میں وہ مجھ سے شادی کے لیے گھگھیاتی رہی۔ ہا...... ہا...... ہا...... میں نے کہا، اب تم مجھے نہیں اپنے خدا کو پکارو۔"

وہ قہقہہ لگا رہا تھا۔ روحی کانپ گئی۔

"یاسر بھائی! خدا کے غضب سے ڈرو۔ اس لڑکی کی بددعا عرش کو ہلا دے گی۔"

"بکواس بند۔ اب تم نے بھائی کہا۔ تو میں اسی جگہ تمہارا غرور خاک میں ملا دوں گا۔"

وہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ جذبات کی یورش یا اشتعال کی شدت، اس کے ہاتھ اسٹیرنگ پر کانپ رہے تھے۔ اب گاڑی ایک بالکل نئی کالونی سے گزر رہی تھی جہاں تھوڑی تھوڑی دور پر عمارتیں زیر تعمیر تھیں۔ آبادی بالکل نہ تھی۔ اتوار کا دن تھا شاید مزدوروں کی چھٹی تھی۔ کہیں کوئی بندہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کبھی کوئی آدمی نظر بھی آیا تو دور، اور اتنا وہ جانتی تھی کہ گاڑی کے شیشے ساؤنڈ پروف ہیں۔ اور وہ شور مچاتی آوازیں دیتی۔ تو وہ خود ہی سنتی۔

آخر ایک زیر تعمیر عمارت کے سامنے کچھ فاصلے سے گاڑی روک دی یاسر نے۔ آٹومیٹک لاک کھل گئے۔ وہ تیر کی باہر نکلی اور بھاگتی چلی گئی۔ مگر یاسر اپنا شکار بھلا کیسے چھوڑ دیتا۔ اس نے اس قدر سختی سے اس کا بازو دبوچا کہ روحی کی چیخ نکل گئی۔ اب وہ اسے کھینچتا ہوا عمارت کی طرف لے جا رہا تھا۔ گاڑی دور روکنے کی وجہ اب سمجھ میں آئی۔ گیٹ تک گول گول پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ روحی اس کے شکنجے میں کسی ہوئی کھنچتی جا رہی تھی۔ وہ اپنی پوری طاقت لگا رہی تھی

رکنے کی کوشش میں مگر۔ یاسر زیادہ قوت رکھتا تھا۔ گول پتھر پیروں کے نیچے پھسل رہے تھے۔ کبھی تو وہ ان ہی پتھروں کی بدولت رک جاتی۔ کبھی گرنے لگتی۔ اب اس کے حلق سے بے اختیار چیخیں برآمد ہوئیں اور سارا علاقہ اس کی چیخوں سے گونجنے لگا۔

یاسر پر جنون طاری ہو گیا۔ وہ گالیاں بک رہا تھا۔ اسے بھی کھینچ رہا تھا۔ اور خود کو بھی ان بے ہنگم پتھروں پر پھسلنے سے روک رہا تھا۔ اور ادھر اس کی چیخیں ادھر یاسر کا ہیجان اور خوف۔ گیٹ اندر سے بند تھا۔ شاید چوکیدار اندر سو گیا تھا۔

"چپ ہو جا۔ الو کی پٹھی۔"

وہ غرا رہا تھا کسی درندے کی مانند۔ اس کے ناخن روحی کے بازو میں کھال کو چھیل چکے تھے۔ اس کی خوبصورتی، لباس کی دلکشی، چہرے کی مسکراہٹ جو کبھی دل موہ لیتی تھی۔ اب اسے مجموعی طور پر بے رحم آدم خور سے مشابہ لگ رہی تھی۔ وہ ایک جاہل، اجڈ، وحشی مرد کا تاثر دے رہا تھا۔

"چپ ہو جا۔ ورنہ گلا دبا دوں گا۔" ہیجانی کیفیت میں اس کی آواز بھی بلند ہو گئی۔ "بس دو گھنٹے کی بات ہے۔ پھر تجھے تیرے گھر پہنچا دوں گا۔ تیری نانی کے پاس۔"

مگر روحی کی چیخیں رک نہیں رہی تھیں۔ سماعت بھی ناکارہ ہو گئی تھی۔ اور بس ایک لفظ اللہ تھا۔ جو چیخ کے ساتھ ادا کر رہی تھی۔

"اللہ...... اللہ...... مدد...... مدد......"

یاسر چوکیدار کو گالیاں دے رہا تھا جس کی نااہلی کی وجہ سے گول پتھروں کے ڈھیر گیٹ کے عین سامنے جگہ جگہ ڈھیر تھے۔ ورنہ گاڑی گیٹ کے پاس لے آتا۔ تو یہ ہنگامہ۔ گیٹ بند تھا۔ اس پر جنون طاری ہو رہا تھا۔ وہ اپنے قیمتی جوتوں سے گیٹ کو ٹھوکر مار رہا تھا مگر چوکیدار۔ نشہ کر کے کہیں بے سدھ پڑا تھا۔ پیروں کے نیچے گول پتھر توازن قائم رکھنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ ساتھ والی زیر تعمیر عمارت کے باہر دو گاڑیاں بھی کھڑی تھیں جن پر پہلے اس کی نظر نہیں پڑی تھی۔

اور اب یاسر خوف زدہ ہو رہا تھا۔ کار والے لوگ اگر باہر آ گئے۔

☼ ☼ ☼

صفی تو موسم کو انجوائے کرنے کے لیے چھت پر چڑھ گیا تھا جہاں سے بادلوں کے قافلے کچھ نزدیک آتے نظر آ رہے تھے۔ بارش ہلکی تھی۔ اسے بھیگنے میں لطف آ رہا تھا۔ پھر بھابھی کے بلانے پر نیچے آیا۔ جہاں فخر اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کھڑا تھا۔ اس کے ماموں کا گھر بن رہا تھا۔ ماموں کچھ مطمئن نہ تھے۔ وہ کسی انجینئر کو گھر دکھانا چاہتے تھے۔

فخر کو یاد آیا کہ آج کل صفی ہاؤسنگ میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اور خاصا ماہر ہو گیا ہے۔ وہ اسے ماموں کے زیر تعمیر گھر پر لے گیا۔ آج جمعے کی وجہ سے چھٹی تھی مگر ماموں ٹھیکے دار کو لے کر آ گئے تھے۔

صفی نے بنظر غائر گھر کا معائنہ کیا۔ جگہ جگہ سقم نظر آیا۔ وہ ٹھیکے دار سے پرسش کر رہا تھا۔ ساری عمارت بے پروائی کا شاہکار تھی۔ وہ تفصیل سے ماموں کو خرابیاں بتاتا رہا۔ ٹھیکے دار کو ہدایات دیتا رہا کہ کس ترکیب سے اب بھی بگڑا کام سنوارا جا سکتا ہے۔ ماموں نے فخر کو دیکھ کر تاسف سے کہا۔

"ارے او نکمے! پڑھنے میں دل لگایا ہوتا تو آج جاہلوں کی طرح منہ اٹھائے نہ کھڑا ہوتا۔ شرم کر بیٹا۔ اپنے دوست سے ہی کچھ سبق لے لیا ہوتا۔ کھیل کود میں دل لگانے کے بجائے کتابوں سے دل لگا لیتا۔ تو آج مجھے تیری مدد حاصل کر کے فخر ہوتا اور اتنی خرابیاں ہوتی بھی نہیں۔"

فخر شرمندہ ہو گیا، ماموں تو مسلسل اسے کچھ نہ کچھ کہتے رہے۔ وہ جلدی سے باہر آ گیا۔ صفی بھی اس کے ساتھ باہر نکلا۔ اور تب انہیں ساتھ والے گھر کے گیٹ پر ٹھوکریں مارتا، مغلظات بکتا یاسر نظر آیا۔ اس نے ایک لڑکی کو بہ زور پکڑ رکھا تھا۔ اور چیخیں مارتی لڑکی بس "اللہ اللہ" پکار رہی تھی۔

"یہ تو یاسر ہے۔" فخر کے منہ سے نکلا۔

لڑکی کی فریادیں اور نیچے کی طرف جھک کر خود کو یاسر کی گرفت سے نکالنے کی کوشش۔ دونوں سمجھ گئے کہ آج یاسر کسی لڑکی کو اس کی مرضی کے بغیر یقیناً دھوکے سے لے کر آیا ہے۔

شہر سے دور یہ کالونی یقیناً اس جیسے دولت مند بگڑے ہوئے، آوارہ، عیاش نوجوان کی یا اس کے باپ کی ملکیت نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں سب متوسط طبقے کے لوگوں کے گھر تھے۔ اس گھر کا مالک یاسر کا دوست ہو سکتا تھا۔ یا پھر چوکیدار کے ساتھ سازش کے تحت وہ لڑکی کو لے آیا ہے۔ صفی پر جنون سا طاری ہو گیا۔ کمزور، بے بس لڑکی۔ اپنی عزت کی حفاظت کے لیے پوری طاقت لگا رہی تھی۔ صفی یاسر کے سامنے اڑ کر پہنچا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ اور غرایا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟"

یاسر کا چہرہ تھپڑ نے لال کر دیا۔ روحی کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کے حلق سے گالی نکلی جو یقیناً صفی کی دخل در معقولات کے سلسلے میں تھی۔ روحی منہ چھپا کر زمین پر گر گئی۔ فخر بھی آ گیا۔ ماموں اور ٹھیکے دار بھی۔ سب کی سمجھ میں واردات کی نوعیت آ چکی تھی۔ ٹھیکے دار جو صفی اور ماموں کی جھاڑ سن کر خاصا بد مزہ ہو رہا تھا۔ اسے بھڑاس نکالنے کا اچھا موقع ملا۔ اس نے گریبان سے یاسر کو پکڑ کر کھینچا۔ اور اپنے سخت ہاتھ اور پیروں سے اس کی ٹھکائی شروع کر دی۔ ساتھ ہی گندی گالیاں۔ آج پہلی بار یاسر ایک جاہل آدمی کے منہ سے اپنے بارے میں ایسی گالیاں سن رہا تھا۔ اور پہلی بار اپنے عمل پر پچھتا رہا تھا۔ ماموں نے بھی دو چار کرارے گھونسے اس کی پسلی پر جڑ دیے۔ جب یاسر لہولہان ہو گیا تو از راہ مہربانی ٹھیکے دار نے ہاتھ روکے اور جھاڑے جیسے گرد صاف کر رہا ہو۔

"اس شریف بچی کی عزت تیرے اس خون سے زیادہ قیمتی ہے۔ ذلیل انسان! اس بچی کی خاطر تجھے چھوڑ رہا ہوں۔ ورنہ تو تیری حرکت زندہ چھوڑنے کے لائق نہیں تھی۔ اپنی ماں بہن کی لاج رکھ لیتا۔"

صفی اور فخر یاسر سے الگ کھڑے روحی کو دیکھ رہے تھے۔ اس کے بازو پر خون تھا۔ بال الجھے ہوئے تھے۔ صفی پر تو جیسے صدمے کا پہاڑ گرا تھا۔

"آئندہ وہ کبھی اس علاقے میں نظر آیا۔ تو ٹانگیں توڑ کر سڑک پر ڈال دوں گا۔"

ٹھیکے دار نے آخری ٹھوکر پتھروں پر پڑے یاسر کو لگائی۔ اور جاتے ہوئے کار کے چاروں پہیے پنکچر کر دیے۔ زخمی، بے حال، لہولہان یاسر پتھروں پر بے آسرا پڑا تھا۔ اب اس کے حلق سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔

"اے ابن آدم! عبرت حاصل کر۔ خدائی کا دعوا کرنے والے یونہی ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔"

جتنا بڑا گناہ وہ کرنے جا رہا تھا۔ اس کے لیے یہ سزا نہ ہونے کے برابر تھی۔ ہاں جو کچھ کر چکا تھا۔ شاید اس کی کسر اب نکل گئی۔ خصوصاً "پسلیوں کی چوٹیں۔ دانت کا ٹوٹ کر گر جانا۔ خون اور مٹی میں لتھڑا اس کا سارا جسم۔ اور کوئی پرسان حال نہیں۔ ارب پتی باپ کا بیٹا۔ بے حال، بے سہارا خون میں نہایا ہوا کراہ رہا تھا۔ اب جتنی لڑکیوں کی عزت اور زندگی سے کھیل چکا تھا۔ وہ سب تصور میں آ کر اس کا منہ چڑا رہی تھیں۔ پتا نہیں کوئی پسلی ٹوٹ گئی تھی۔ یا ہڈی کریک ہوئی تھی۔ ذرا سی جنبش اذیت کا سبب بن رہی تھی۔

جاتے جاتے ٹھیکے دار احسان جتا گیا کہ "پولیس کے حوالے صرف لڑکی کی عزت کی خاطر نہیں کر رہا۔ ورنہ وہ اس قابل تھا کہ پولیس کے چھتر کھا کر ہسپتال کی سیر کرتا۔ بڑے تعلقات ہیں میرے یہاں کے تھانے میں۔ ایس پی لنگوٹیا یار ہے۔"

وہ جا رہا تھا تو یاسر اس کے آگے گھگھیا رہا تھا۔

"مجھے یہاں سے لے چلو۔ اللہ کا واسطہ۔" اب وہ اسی اللہ کا واسطہ دے رہا تھا۔ جس کا مذاق اڑاتا رہا تھا۔ بارش بھی تیز ہو گئی اور زخموں کی ٹیسیں بھی۔ شاید اب توبہ کا وقت آ گیا تھا۔ اور وہ مجبوراً "توبہ پر بھروسا کر رہا تھا۔ اپنے کرتوتوں کو یاد کر کے اسی عظیم طاقت سے رحم مانگ رہا تھا۔

صفی کے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ ماتھے پر ایک موٹی سلوٹ ابھر کے غم کی گواہ بنی ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی اپنی اس محبت کو یوں روتے ہوئے بھی دیکھے گا۔ اس نے تو اس لڑکی کی محبت کو دل کے نہاں خانے میں خود سے بھی پوشیدہ رکھا تھا۔ کہ کہیں اس کی عزت و حرمت، عفت پر حرف نہ آجائے۔ اور آج وہ روحی سے کوئی سوال بھی نہیں کر سکتا تھا۔ فخر ساتھ تھا۔ اور روحی کو شرمندہ کرنا یا شرمسار دیکھنا اس کے لیے آسان نہ تھا۔

اس کی انگلیاں سختی سے جمی ہوئی اسٹیرنگ پر تھیں۔ صفی نے فخر کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ صفی کسی خاص تعلق کا گواہ بنا ہوا تھا۔ فخر نے اس کی نظروں کا جواب نظروں سے ہی اثبات میں دیا تھا۔

روحی پچھلی سیٹ پر نڈھال پڑی تھی۔ عزت بچ جانے کا شکر خدا کے حضور میں پیش کر رہی تھی۔ مگر صفی کے سامنے وہ کبھی بھی صفائی نہیں دے سکتی تھی۔ وہ تو اس کے لیے غیر اور اجنبی تھا جس سے کبھی اس نے بات ہی نہیں کی تھی۔ وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا؟ یہ اس کی روح پر تازیانہ تھا۔ وہ کبھی یقین نہیں دلا سکتی تھی کہ۔ وہ بے قصور ہے۔ قصور تو تھا۔ اس کے کہنے میں آکر اس کی گاڑی میں بیٹھنے کی غلطی تو اسی نے کی تھی۔ پھر اب یہ واویلا بے کار تھا۔ وہ اپنی اس غلطی پر خود اپنا احتساب کر رہی تھی۔ اور اسے اب یقین بھی ہو گیا تھا کہ معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی کا سبب خود اپنی ہی غلطی ہوتی ہے۔

ایک ہفتہ اس نے پچھتاووں میں گزار دیا۔ وہ بار بار سوچتی۔ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ میری عقل پر پردہ کیوں پڑ گیا۔ اللہ تو معاف کرتا ہے۔ لیکن اگر اس غلطی کی سزا میں پاکیزہ دامن پر داغ لگ جاتا تو کون معاف کرتا ہے۔ معاشرہ؟ ماں باپ؟ نانی اور ماموں...؟ یا وہ خود؟ نہیں یہ ناقابل معافی جرم اس نے خود ہی کیا تھا۔

وہ اپنی عدالت میں خود کو مجرم ثابت کر رہی تھی۔ شاید کوئی عمل اس کے لیے صراط مستقیم پر چلنے کا سبب بنا تھا۔ جس نے اس کی عفت کا بھرم رکھ لیا تھا۔

اس دن صفی نے اسے گھر کے قریب اتارا تھا۔ اترنے سے پہلے اس نے صفی کے دیئے ہوئے کنگھے سے بال درست کیے تھے۔ کار میں رکھے تھرماس سے پانی لے کر منہ بھی دھو لیا تھا۔ جب وہ اتر رہی تھی۔ فخر نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا تھا۔

"خود کو سنبھالو بہن! اور بے فکر ہو جاؤ۔ سمجھو کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ نہ ہم نے کچھ دیکھا نہ سنا۔ نہ کوئی اس بات کو زبان پر لائے گا۔"

فخر انتہائی سنجیدگی کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ تاسف اور ہمدردی اس کے الفاظ سے عیاں تھی۔ صفی اسٹیرنگ کے سامنے ساکت بت بنا ہوا تھا۔ اس کی نظریں شیشے کے پار سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ پوچھ تو کہتا۔ ڈانٹ دیتا۔ خفا ہو جاتا۔ اس کی غلطی پر ٹوکتا۔ مگر نہ جانے وہ کس سوچ میں گم تھا۔

"میرا دل صاف ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔ پھر میں کیوں کسی سے ڈروں؟" اس نے خود میں قوت بحال ہوتی محسوس کی۔

ایک ہفتہ پڑھائی کا بہانہ کیے کمرے میں قید رہی۔ نانی کی فکر پریشانی اور تردد دور کرنے کے لیے اس نے خود کو سنبھال لیا۔ اور اس کے بعد یونیورسٹی جانے لگی۔ فخر کا سامنا کرنا بھی کتنا دشوار لگ رہا تھا۔ مگر فخر اب نظر ہی نہیں آتا تھا۔ سنا تھا کہ وہ پڑھائی میں جت گیا ہے۔ ایسے جیسے مقابلے کا امتحان دینے والا ہو۔ بلکہ اس کے پرانے ساتھی بھی اس کا ساتھ پڑھائی میں دے رہے تھے۔ جو حیران کن تھا۔

پھر اس نے سنا کہ ...... "یاسر نذیر کو کوئی حادثہ پیش آگیا۔ اور اسے ہاسپٹل میں کسی راہ گیر نے داخل کیا تھا۔ اس کی حالت خراب ہے۔ ایک ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اور دوسرا ہاتھ کہنی تک کاٹ دیا گیا ہے۔ اللہ رے تیرا انصاف۔ اسی دنیا میں سزا مل گئی۔ اور پھر بھی لوگ سمجھتے ہیں سزا قیامت کے دن سنائی جائے گی۔

اور یہ تو فخر نے اس کے سوال کرنے پر بتایا تھا۔ اس دن ایک بھوکا کتا خون کی بو سونگھتا ہوا وہاں پہنچ گیا تھا۔ جس ہاتھ سے یاسر اپنا دفاع کر رہا تھا۔ اسے کتے نے بھنبھوڑا تھا۔ کتے کی آوازوں سے لوگ متوجہ ہوئے۔ اور اسے اٹھا کر ہاسپٹل میں داخل کرایا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس وقت کسی کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ جس زخمی کو وہ ایک پرانی سوزوکی لوڈر میں ڈال کر لے جا رہے ہیں۔ وہ ایک ارب پتی باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اور سامنے کھڑی جگمگاتی، چمچماتی دس لاکھ کی گاڑی کا مالک ہے۔ وہی جس کے پہیے زمین سے لگے پڑے تھے۔ اور جنرل وارڈ کے بدبودار ماحول میں میلے بستر پر اس کو ہوش آیا تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔

"مگر کتے کے دانتوں کا زہر اتنا خطرناک تھا کہ اس کا بازو کہنی تک کاٹنا پڑا۔" فخر تاسف اور خوف کے ملے جلے تاثر کے ساتھ اسے بتا رہا تھا۔ (برائی کا برا انجام)

"تم شاید کسی فرشتے کے خاندان سے ہو، یا خود فرشتہ ہو۔ نہ صرف یہ کہ یاسر تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکا۔ بلکہ مجھے اور صفی کو تمہاری مدد کے لیے اسی جگہ پہنچا دیا۔ یہ وہی ہاتھ ہے جس نے تم کو بازو سے پکڑ کر کھینچا تھا۔ تم تو اس وقت بددعا بھی نہیں دے رہی تھیں۔ صرف اللہ اللہ پکار رہی تھیں۔ تمہاری اس آواز نے میرے دل پر ہیبت طاری کر دی تھی۔ اور اس آواز نے ٹھیکے دار کے جلال کو جگایا تھا۔"

"وہ تم سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔ میں اسے دیکھنے گیا تھا۔ میں صفی کو بھی لے گیا تھا۔ یاسر بہت روتا ہے۔ بہت پشیمان ہے۔ اسے معاف کر دو اب۔ سزا مل تو گئی ہے اسے۔"

"سزا مل تو گئی ہے اسے۔ مگر جن کی زندگیاں وہ تباہ کر چکا ہے۔ ان سے معافی کیوں نہیں مانگتا۔ میرا تو کچھ بگڑا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے تو اپنے اللہ کا آسرا تھا۔"

"وہ سب سے معافی مانگ رہا ہے مگر کوئی بھی اسے معاف کرنے کو تیار نہیں۔ سب اس کے انجام سے خوش ہیں۔"

"اس سے کہیں۔ وہ بس اللہ سے معافی مانگ لے۔"

اور یہ اس کے بھی ایک ماہ بعد کی بات ہے۔ نانی نماز پڑھ رہی تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ اور یہ بوا ترندی کی پرانی عادت تھی۔ وہ گھنٹی بجانے کے بجائے دستک دیتی تھیں۔ انہیں بجلی کے کرنٹ سے خوف آتا تھا۔ وہ ان کی اچھی طرح خبر لینے کے ارادے سے اٹھی۔

دوسری دستک پر اس نے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ چوپٹ کھول دیا۔ مگر (بوا ترندی کی قسمت واقعی کافی اچھی تھی)۔ سامنے ہی ایک دلکش مسکراہٹ لبوں پر سجائے۔ ہاتھ میں پھولوں کا ڈھیر سنبھالے۔ صفی الدین صاحب چمکتی آنکھوں سے اس کے بگڑے تیوروں کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

یہ ایک دلکش نظارہ تھا۔ وہ تو صفی کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں کر رہی تھی۔ سوچتی رہ جاتی تھی کہ صفی کی آنکھوں میں اپنے لیے شک کا تاثر دیکھ کر موت کی تمنا کرے گی مگر وہ تو کھلے دل اور شفاف آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ شرمائے' مسکرائے' یا اندر بھاگ جائے۔

"میں اندر آنا چاہتا ہوں۔ ذرا رستہ دیجئے گا۔"

"ک.... کیوں؟ اندر کیوں آنا چاہتے ہیں۔"

"کیونکہ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ میں آج خود پیش ہونے کے لیے آیا ہوں۔"

"پیش ہونے کے لیے.... کیوں؟" وہ احمقوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ سے شادی کا بندھن باندھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے۔" بے باکی' بے شرمی کی حد تھی۔

وہ خاصی گھبرا گئی۔ سٹپٹا گئی۔ "ل.... لیکن میری شادی.... آپ سے نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں نہیں ہو سکتی؟"

"کیونکہ.... کیونکہ آپ کالے ہیں۔" بے اختیار منہ سے نکلا۔

"واہ کالا کدھر ہوں۔ خاصا گندمی رنگ ہے۔" خاصا برا مانا تھا صفی نے۔

اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی' پیچھے سے نانی نے جھپٹا مار کر اس کی قمیص اپنے سوکھے پنجے میں دبوچ لی۔ اور اپنی طرف گھسیٹ کر بولیں۔

"چل ہٹ ادھر۔ تو کون ہوتی ہے یہ فیصلہ کرنے والی کہ شادی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ ہم مر گئے ہیں کیا؟"

صفی کے چہرے پر بہار کے پھولوں کی شادابی تھی۔ تو روحی کا چہرہ شفق کا منظر پیش کر رہا تھا۔

"آؤ بیٹا! اندر۔ کیا اکیلے آئے ہو؟"

"اماں آ رہی ہیں۔ اور بھابھی' بھائی جان بھی ہیں۔"

"ہیں؟ تم کیا چھلانگ لگا کر پہلے آ پہنچے ہو۔ چلو اچھا آؤ' آؤ۔"

صفی کی ماں پھولوں کے ہار لیے بھابھی مٹھائی کا ڈبہ سنبھالتی اور بھائی جان اپنے نومولود بیٹے کو گود میں اٹھائے دہلیز پار کر کے اندر پہنچ گئے۔ وہ وہیں کھڑی سوچتی رہ گئی۔ ہاں نانی نے آخر میں مڑ کر ضرور اسے سنایا۔

"ہم بے جوڑ شادیوں کے خلاف ہیں۔ مگر ایسے رشتے کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔ چلو۔ چائے بناؤ۔"

آج پھر بوا ترندی غائب تھیں۔ غصہ میں جلتی بھنتی وہ کچن میں آئی۔ مگر یہ کیا مامی تو کسی فنکشن کی تیاری کے لیے انواع و اقسام کی نعمتیں سجائے کھڑی تھیں۔ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر آگے بڑھ کر گلے لگا لیا۔

"مبارک ہو.... اماں نے اس رشتے کو پاس کر دیا ہے۔" مگر ان کی آنکھیں کسی محرومی کے احساس سے نم تھیں۔

اسے اندازہ تو تھا کہ نانی کے خیالات بدلنے میں لمحے کی دیر لگتی ہے۔ وہ کبھی بھی کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ مگر مامی کو یہ سمجھانا بھی بہت مشکل تھا۔ کہ.... بے جوڑ شادیوں سے زندگی کو کوئی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ اور صفی کے علاوہ کوئی بھی اس کے جوڑ کا نہ تھا۔